ماهنامه

# صراطِ مستقیم

برمنگھم

May 2022



وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

# صراطِ مستقیم برمنگھم


بیاد
مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ
مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 42 No. 07 May 2022
Ramzan/ Shawwal 1443 AH
جلد: 42 شمارہ: 07 مئی 2022ء
رمضان/شوال 1443ھ




## فہرست مضامین




Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779



ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk




یورپ میں آباد مسلم کمیونٹی کی تاریخ گذشتہ نصف صدی سے زائد مدت پر محیط ہے۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمہ کے بعد برصغیر پاک وہند، شمال افریقہ، الجزائر، مراکش، تیونس وغیرہ سے ہزاروں کی تعداد میں لائے جانے والے مسلمانوں نے برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دیگر یورپی ممالک کی مردہ صنعتوں کو اپنی سخت محنت اور جانفشانی کے ذریعہ زندگی دی اور ان ملکوں کو ان کی تہذیب وتمدن سمیت دیوالیہ ہونے سے بچایا، انہی مسلمانوں کی تیسری نسل یہاں پروان چڑھ چکی ہے۔ الحمد للہ، یہ اَمر نہایت خوش آئند ہے کہ ہزارہا بگاڑ کے باوجود مسلمان کمیونٹی کا اپنے دین ومذہب کے ساتھ رشتہ نہ صرف استوار رہا ہے، بلکہ روز بروز اس رشتہ میں مضبوطی آرہی ہے اور غالباً یہی وہ بات ہے جو یورپین اقوام کے لیے تشویش کا باعث بنتی جارہی ہے۔ چنانچہ گذشتہ ربع صدی میں ایسی نسل پرست تحریکوں میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔ جن کا مرکزی ایجنڈا اسلام اور مسلم مخالفت ہے، اس سے زیادہ تشویشناک امر یہ ہے کہ اس قسم کی تنظیمیں یورپ کے مختلف ممالک سویڈن، آسٹریا، ہالینڈ اور ڈنمارک میں سیاسی سطح پر اپنے وجود کو منوا چکی ہیں اور ہر ملکی انتخابات میں ان کے ووٹرز میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

اس کی واضح مثال فرانس میں منعقدہ حالیہ صدارتی انتخابات ہیں، ان انتخابات کے فائنل راؤنڈ میں آنے والی دو پارٹیاں تھیں، پہلی حکمران پارٹی ہے جس کا صدر امانویل میکرون ہے، جو گذشتہ میعاد میں بھی صدر مملکت رہ چکا ہے، دوسری پارٹی دائیں بازو کی نسل پرست تنظیم ہے۔ مارین لی پین اس کی صدر ہیں، یہ وہ پارٹی ہے۔ چند سال قبل جس کی حمایت کرنے والوں کی تعداد دس فی صد سے تجاوز نہیں کر پائی تھی اور آج وہ ملک کی ایک اہم سیاسی جماعت کے طور پر ابھر کر آئی ہے۔

حالیہ انتخابات کے دوران بحث ومباحثہ میں ان دونوں پارٹیوں کی لسٹ میں اسلام اور مسلمانوں کا موضوع سرفہرست رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدارتی انتخابات میں مسلمانوں کا رول کلیدی ہوتا ہے، مگر اس شکل میں کہ جو امیدوار جس قدر مقامی مسلمانوں پر مذہبی پابندی عائد کرنے اور مختلف حیلوں بہانوں سے ان کی دینی شناخت کو ختم کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے، اسی قدر اس کی کامیابی کے امکانات روشن سے روشن تر ہوتے چلے جاتے ہیں، مگر صد حیف مقامی مسلمانوں کو ایسا کوئی پلیٹ فارم میسر نہیں جہاں سے وہ اپنے مؤقف کو بیان کر سکیں۔ اپنے لباس، طرز زندگی اور اشیاء خورد ونوش میں اسلام کے تصور کو کھول کر بیان کر سکیں جبکہ فرانس فخریہ طور پر اپنے آپ کو ایسی جمہوریت قرار دیتا ہے جس میں جمہوری اقدار، آزادی رائے، مساوات اور بھائی چارگی کو فوقیت حاصل ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ فرانس میں مسلمان قلیل تعداد میں ہیں، فرانس میں مسلمانوں کی تعداد محتاط اندازے کے مطابق چھ سے سات ملین بتلائی جاتی ہے جو کہ مغربی ممالک میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ہے، اس کے باوجود مسلمانوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی سر توڑ کوشش کی جارہی ہے۔

بہر حال نتائج کے مطابق ری پبلکن پارٹی کے صدر میکرون نے دائیں بازو کی نسل پرست جماعت پر کامیابی حاصل کر لی۔ مگر اس کا معنٰی یہ نہیں کہ نسل پرست پارٹی ناکام ہو چکی ہے، کیونکہ گذشتہ انتخابات کے نتائج کے مقابلے میں اس دفعہ اس پارٹی نے توقع سے کہیں زیادہ ووٹ حاصل کر کے دوسرے نمبر پر آنے میں کامیابی حاصل کر لی، اس حوالے سے نتائج آنے کے فوری بعد پارٹی کی خاتون صدر کا یہ بیان قابل غور ہے۔

وہ کہتی ہے کہ ہماری آئیڈیالوجی جس پر ہمارا کامل یقین ہے، اب اپنی شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ جو کہ ہمارے لیے ایک عظیم کامیابی ہے،

حالیہ انتخابات کے دوران بحث ومباحثہ میں ان دونوں پارٹیوں کی لسٹ میں اسلام اور مسلمانوں کا موضوع سرفہرست رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدارتی انتخابات میں مسلمانوں کا رول کلیدی ہوتا ہے، مگر اس شکل میں کہ جو امیدوار جس قدر مقامی مسلمانوں پر مذہبی پابندی عائد کرنے اور مختلف حیلوں بہانوں سے ان کی دینی شناخت کو ختم کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے، اسی قدر اس کی کامیابی کے امکانات روشن سے روشن تر ہوتے چلے جاتے ہیں، مگر صد حیف مقامی مسلمانوں کو ایسا کوئی پلیٹ فارم میسر نہیں جہاں سے وہ اپنے مؤقف کو بیان کر سکیں۔ اپنے لباس، طرز زندگی اور اشیاء خورد ونوش میں اسلام کے تصور کو کھول کر بیان کر سکیں جبکہ فرانس فخریہ طور پر اپنے آپ کو ایسی جمہوریت قرار دیتا ہے جس میں جمہوری اقدار، آزادی رائے، مساوات اور بھائی چارگی کو فوقیت حاصل ہے۔

تاریخ نے ثابت کر دیا کہ جو لوگ ہمارا نام ونشان مٹانے کی آرزو کر رہے تھے، وہ سراسر غلطی پر تھے، کھیل ابھی ختم نہیں۔

دوسری جانب نسل پرست پارٹی کی ناکامی اور ری پبلکن پارٹی کی کامیابی سے یہ سمجھ لینا کہ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت سراسر کم فہمی ہوگی۔

کیونکہ مارین لی پین ہو یا میکرون، دونوں بھی ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، اس کا اندازہ دوران انتخابات مختلف صدارتی امیدواروں کے درمیان بحث ومباحثہ میں کی جانے والی گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے، چنانچہ جہاں نسل پرست پارٹی کی لیڈر ہر جگہ کہتی رہی کہ وہ اسلامی آئیڈیالوجی کی سخت مخالف ہے، اقتدار حاصل کرنے پر فرانس میں اس آئیڈیالوجی کی ترویج اور اس کی فنڈنگ پر مکمل پابندی لگائی جائے گی، فرانس کی سرزمین پر رہنے کا حق صرف فرانسیسی افراد کو حاصل ہے، لہٰذا فرانسیسی شہریت نہ رکھنے والوں کو اس سرزمین پر رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں، ہم ہر اس تنظیم پر پابندی لگا دیں گے جو اسلامی نظریات کی ترویج میں مشغول پائی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

تو دوسری جانب ری پبلکن پارٹی کے کامیاب صدارتی امیدوار میکرون صرف کہنے کے قائل نہیں بلکہ وہ عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اپنی پہلی میعاد کے دورِ صدارت میں اس کی حکومت کے ایماء پر جمہوری اقدار کا تحفظ واحترام کے ٹائٹل کے تحت اور علیحدگی پسند اسلام کے خلاف قانون سازی کی گئی اور پھر اس قانون کی آڑ لے کر فرانس کی تمام مساجد اور دینی تنظیموں کی نشاطات اور ان کے دفاتر کو کڑی نگرانی میں رکھ دیا گیا۔ اس طرح اپنی تنظیموں کو ملنے والی فنڈنگ کو بھی سخت چیکنگ کے مراحل سے گذارا جائے گا، مسلمان فیملیز پر اپنے بچوں کے لیے ہوم اسکولنگ جیسی سہولت کو مختلف کڑی شرائط کے تحت کر دیا اور اسی قانون کے تحت گذشتہ سال 21 مساجد بند کر دی گئیں، اور اب حلال ذبیحہ اور مسلمان بچوں کو اسلامی نام محمد یا احمد سے موسوم کرنے پر پابندی اس پارٹی کے زیر غور ہے، جس کو ہم ری پبلکن پارٹی تصور کرتے ہیں۔ اس پارٹی کے وزیر اعظم نے گذشتہ سال مسلمانوں کو ایک ایسی ناپاک قوت قرار دیا تھا جو فرانسیسی معاشرے اور ماحول کو اندرونی طور پر گندہ کر رہی ہے۔

بہر حال اس وقت یورپ میں آئے دن مسلمان اپنی بقا کی نہیں بلکہ اپنی دینی شناخت کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے ہیں، فرانس ہی نہیں دیگر یورپین ملکوں میں مختلف تحدیدات اور پابندیوں کے ذریعے انہیں دین اسلام سے علیحدہ کرنے کی کوششیں جاری ہیں، ان حالات میں امت کی اپنی قیادت کو سوچنا ہوگا کہ کس طرح مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو تحفظ دیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆

## بشارت عید

مردِ مؤمن کو بشارت ہو مسلماں کو نوید — عید آئی ہے بڑی شان سے پھر آئی ہے عید
قدرت حق کے اشارات، درخشاں انجم — کہیں پرویں، کہیں زہرہ ہے کہیں ہے ناہید
پھر شب یاس کی ظلمت کا جگر چاک ہوا — مسکراتی ہے سحر، جاگی ہے صبح امید
بہرہ یاب شرف مرگ شہادت جو ہوا — پا لیا اس نے تو اعزاز حیات جاوید
رب کعبہ کی قسم، رب محمدؐ کی قسم — عید ہے بندۂ مؤمن کی بس اللہ کی دید
اسے مردہ نہ کہو زندۂ جاوید ہے وہ — جو بصد شوق ہوا، راہِ محبت میں شہید
کر لیا اپنے خداوند کو جس نے راضی — عید اس کی ہے حقیقت میں اسی کی ہے عید
اشک نے درد کی روداد سنا ہی ڈالی — نہ اشارات ہوئے ہیں نہ کوئی گفت وشنید
عید کی رات مبارک ہے مقدس جہاں — عید کا دن بھی ہے لاریب وہیں روز سعید
صرف اللہ کے لیے سب سے خفا ہو جانا — یہی ایماں کی ہے پہچان، یہی ہے توحید
رنگ رلیوں میں گزر جائے اگر عید کا دن — عید وہ عید کہاں ہے، وہ الم ناک وعید
آج اسلام ہے مغلوب جہاں میں افسوس — اور مجبور ہے مظلوم ہے قرآن مجید
سرخ رو ہوں گے زمانے میں ہم ان شاء اللہ — شامل حال رہے گی جو خدا کی تائید
دل افسردہ کو تم جلد سنبھالو حماد — غرفۂ چرخ سے پھر جھانک رہا ہے مہِ عید

علامہ ابو البیان حماد عمری




سب سے پہلے آیئے ہم ایمانداری سے ایک سوال کا جواب تلاشنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا آپ اپنے رمضان پلان پہ پوری طرح عمل(Execute) کرنے میں کامیاب ہوئے؟

بطور انسان ہم میں سے کوئی پرفیکٹ ہے اور نہ ایسا ممکن ہے۔ ہم سب کے کچھ گولز ہوتے ہیں لیکن بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ توقع کے مطابق ہم ان کو حاصل نہیں کر پاتے۔ اس کی وجہ بسا اوقات یہ ہوتی ہے کہ ہم نے جو شیڈول بنایا ہوتا ہے وہ خاصا مبالغہ آمیز ہوتا ہے اور کئی دفعہ ہمیں غیر متوقع چیزوں کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ اگر آپ کے ساتھ کچھ ایسا ہوا ہے تو ہر گز پریشان مت ہوں اور اپنی کوشش کو مکمل 'ناکامی' کا نام مت دیجئے۔ اس کے بجائے اس پہ فوکس رکھیے جو آپ نے حاصل کر لیا اور اپنی کوش پہ مطمئن رہیے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"( صحیح بخاری)

یہ حدیث بہت تسلی دینے والی ہے، کیونکہ اس سے نہ صرف نیت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ساتھ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی طرف سے اجر صرف اس پہ نہیں ملے گا جو عمل ہم نے مکمل کر لیا۔ بلکہ اس پہ ملے گا جس کی ہم نے صدق دل سے نیت کی۔ دوسرے لفظوں میں: اجر کا تعلق محض رزلٹ کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ہماری کوشش(Efforts) کے ساتھ ہے چاہے بعض وجوہات سے ہم وہ عمل نہ کر سکے ہوں جن کی ہم نے نیت کی۔

اب یوں کیجئے کہ اپنے رمضان پلان پہ ایک نظر ڈالیے۔ اگر آپ کو لگے کہ آپ نے اپنے رمضان پلان پہ 50 فیصد عمل کر لیا ہے تو یہ قابل داد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے 30 دنوں میں اپنی صلاحیت کو 50 فیصد بڑھا لیا ہے، الحمدللہ! آپ کا اب یہ مشن ہونا چاہیے کہ آپ اپنی اس پراگریس کو کیسے بر قرار رکھ پاتے ہیں۔

اس صورت میں کہ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور اعتماد کے ساتھ روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے آخری دن ہماری سب خطاؤں کو معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ رمضان کے بعد ایک مسلمان یوں ہو جاتا ہے جیسے نیا جنم لینے والا بچہ ہوتا ہے۔

تو اس طہارت(Purification) کے بعد اگر ہم نیا سٹارٹ لینا چاہتے ہیں تو ہمیں پوری پلاننگ کے ساتھ اگلا قدم اٹھانا چاہیے۔ اس ضمن میں کچھ ٹپس پیش خدمت ہیں:

**1۔ پراڈکٹو رہنے کے لیے دعا:**

ہم نے رمضان کا مہینہ بھرپور انرجی اور روحانیت کے ساتھ گزارا۔ شیطان جو 30 دن ہم سے دور رہا۔ بھرپور کوشش کرے گا کہ ہم اس روحانیت کے اثر سے جلد سے جلد نکال لے جائے۔ روحانیت(Spirituality) اور شیطان کے درمیان جاری جنگ جیتنا آسان نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالی کی حفاظت میں آنے کے لیے دعا انتہائی ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں ہمیں ایک بہت پیاری اور جامع دعا سکھائی ہے۔ جو یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ يَامُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ

**2۔ اپنے ماحول پہ نظر رکھیے:**

ہم میں سے بہت سوں کی کام یا آفس جانے کے بعد ایک عادت یہ ہوتی ہے کہ ہم صبح وہاں جا کے چائے شائے پیتے ہیں۔ رمضان کے بعد بھی جب ہم اسی روٹین اور اسی ماحول میں واپس لوٹ جاتے ہیں تو غیر ارادی طور پہ وہی پرانی ناخوشگوار خواہشات بھی واپس آ جاتی ہیں۔ (ٹائم پاس، لمبی گپ شپ، سموکنگ، یہاں تک کہ نماز چھوڑ دینا) Productive رہنے کے لیے اپنے ماحول پہ توجہ دینا بے حد ضروری ہے۔ جب شیطان ہمیں گمراہ کرنے لگتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا

بطور انسان ہم میں سے کوئی پرفیکٹ ہے اور نہ ایسا ممکن ہے۔ ہم سب کے کچھ گولز ہوتے ہیں لیکن بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ توقع کے مطابق ہم ان کو حاصل نہیں کر پاتے۔ اس کی وجہ بسا اوقات یہ ہوتی ہے کہ ہم نے جو شیڈول بنایا ہوتا ہے وہ خاصا مبالغہ آمیز ہوتا ہے اور کئی دفعہ ہمیں غیر متوقع چیزوں کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ اگر آپ کے ساتھ کچھ ایسا ہوا ہے تو ہر گز پریشان مت ہوں اور اپنی کوشش کو مکمل 'ناکامی' کا نام مت دیجئے۔ اس کے بجائے اس پہ فوکس رکھیے جو آپ نے حاصل کر لیا اور اپنی کوش پہ مطمئن رہیے۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"( صحیح بخاری)

کہ وہ بڑے سینگوں اور چھڑی کے ساتھ ہمارے سامنے آ جائے بلکہ وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ آپ کو اپنی پرانی بری عادات پہ واپس لے جائے۔ وہ ہم پہ مختلف طریقوں اور انداز سے حملہ آور ہوتا ہے، اور اس کی خفیہ تدابیر میں سے سب سے کارگر تدبیر یہ ہے کہ آپ کو پرانی کمپنی میں واپس کھینچ لے جائے۔ جتنا ممکن ہو سکے برے اور غیر مفید (unproductive) ماحول سے خود کو دور اور علیحدہ کر لیجیے۔ آپ کسی اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے دوستوں کے دل پہ دستک بھی دے سکتے ہیں، کیونکہ انھیں بھی مدد کی ضرورت ہے اور ممکن ہے ان میں بھی چینج آ جائے۔ لیکن آگاہ رہیے کہ اگر آپ دوسروں پر اثر انداز نہیں ہوئے تو یہ یقینی ہے کہ وہ آپ پر اثرانداز ضرور ہوں گے۔

### 3۔ کسی ہفتہ وار درس ودروس میں شریک ہوں

رمضان میں عبادات کرنا قدرے آسان ہو جاتا ہے کیونکہ ہم سب کی توجہ اس طرف ہوتی ہے۔ دنیا بھر میں مسلمان شب و روز عبادت میں مگن ہوتے ہیں۔ روزہ رکھنا بجائے خود ہمیں پورا دن روحانی طور پہ پراڈکٹو رکھتا ہے۔ رمضان میں بہت سی عبادات مشترکہ چل رہی ہوتی ہیں اس لیے رمضان کے بعد اپنی موٹیویشن کو بڑھانے کے لیے خود پہ پہلے سے زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم مصروف زندگی میں اپنی روحانی انرجی کھوتے چلے جاتے ہیں۔ ہفتہ وار کسی حلقہ کا حصہ بننا اس سلسلے میں کافی مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ آپ کو اللہ تعالی کے قریب رکھنے کا ایک ذریعہ ہوگا۔ اس ذریعے سے آپ کو اچھی کمپنی میں بیٹھنے کا موقع ملے گا۔ جن سے آپ اپنے خیالات اور تاثرات ڈسکس کر سکیں گے۔

آئیڈیل تو یہی ہے کہ مسجد میں اس حلقہ کا اہتمام ہو، لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو یوٹیوب پہ آپ ایسے سپیکر کو سن سکتے ہیں جو آپ کو بہت پسند ہو۔ انٹرنیٹ نے اب یہ بہت آسان کر دیا ہے۔

### 4۔ نیا شیڈول بنائیے

رمضان کے مہینہ میں کہ جب سب لوگ تراویح ادا کر رہے ہوں، تراویح پڑھنا قدرے آسان ہے لیکن رمضان کے بعد مستقل مزاجی دکھاتے ہوئے 4 رکعات پڑھنا اصل بہادری ہے۔ ایک ایسے موقع پہ کہ جب آپ کے دوست فٹ بال میچ دیکھ رہے ہوں یا پھر گھر کی سب لائٹس آف ہوں اور سب نیند کے مزے لے رہے ہوں۔ بہادری یہ ہے کہ اس وقت عبادت کی جائے جبکہ ہر کوئی اپنی نارمل روٹین میں واپس لوٹ چکا ہو۔

رمضان کے بعد نیا شیڈول بنانا بے حد ضروری ہے۔ نئے پلان میں آپ کو رمضان کا کم از کم 30 فیصد ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ آپ رمضان میں کی جانے والی عبادات پہ نظر ڈالیے اور ان کا تیسرا حصہ (1/3) ضرور اپنے شیڈول میں شامل کیجیے۔ مثال کے طور پہ اگر 8 رکعت تراویح پڑھتے رہے ہیں تو چار رکعت نوافل شیڈول میں شامل کیجیے۔ اس کے مطابق صدقہ بھی کیجیے، ذکر بھی کیجیے اور اس کے مطابق ہی قرآن بھی پڑھیے۔

آپ کے جتنے بھی گولز ہیں انھیں واضح لکھیے اور ان کے لیے ڈیڈ لائنز لکھیے۔ البتہ یہ ذہن میں رہے کہ رمضان کے پورے شیڈول کو کاپی کرنے کی کوشش مت کیجیے۔ اگر آپ اپنے نئے شیڈول کو رمضان کے شیڈول سے کمپیئر کریں گے تو نیا شیڈول رمضان کے مقابلے میں بہت معمولی محسوس ہوگا لیکن اہم بات ہے: مستقل مزاجی۔ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

”اللہ کے ہاں پسندیدہ عمل وہ ہے جو مستقل کیا جائے چاہے تھوڑا ہی ہو۔“

جو بھی شیڈول بنائیے اس پہ تواتر اور مستقل مزاجی سے عمل کرتے جائیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا پورا سال بہت اچھا گزرے گا۔

☆☆☆

علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

”آخرت کی طرف رغبت دنیا کی قناعت کے بغیر ممکن نہیں۔ اور دنیا کی قناعت دو چیزیں کے بغیر ممکن نہیں:

**پہلی یہ کہ**

دنیا کو حقیر جانے. اس کے لہو ولعب ہونے کو جانے اور اس کے زوال کو سمجھے اور یہ کہ دنیا چند روزہ ہے جس کی جستجو لا حاصل ہے۔

دوسری یہ کہ

آخرت پر نظر ہو۔ اس بات کا یقین ہو کہ وہی جائے قرار اور مستقر ہے۔ جنت کی نعمتیں ذہن میں تازہ ہوں اور اس بات پر یقین ہو کہ یہ نعمتیں لازوال ہیں۔

جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقَى﴾

”آخرت ہی بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔“

(الفوائد: ص94)

## جادوگر دنیا

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”میرے بھائیو! دنیا سے بچو، یہ ہاروت ماروت سے بھی بڑھ کر جادوگر ہے۔ ہاروت ماروت تو میاں بیوی میں جدائی ڈالتے تھے یہ دنیا اللہ اور بندے کے درمیان جدائی ڈالتی ہے۔“

(في المدهش: 1/38)




# عید الفطر فلسفہ اور اَحکام

**عید...دوسری اَقوام میں!**

عہد قدیم سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ سال بھر میں ایک یا ایک سے زیادہ دن ایسے ہونے چاہئیں جن میں لوگ روز مرہ کاروبارِ حیات کو معطل کر کے عمدہ لباس پہن کر کسی مرکزی جگہ اکٹھے ہوں اور مختلف تقریبات منعقد کر کے اپنی حیثیت و شوکت کی نمائش کریں۔ ایسے تہواروں کو مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے اور تاریخ و دن کا تعین قوموں نے اپنی تاریخ کے اہم واقعات کی یاد تازہ رکھنے کے لئے کیا ہے۔ مثلاً ایرانیوں کی ایک عید یا تہوار کا نام مہرجان ہے جو فریدون بادشاہ نے اپنی ایک فتح عظیم کی یادگار کے طور پر منانے کا حکم دیا تھا۔ اہل عرب بھی ایرانیوں کے زیر اثر یہ عید منایا کرتے تھے۔

بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پر فرعون کے مظالم سے یومِ نجات کو یوم عید قرار دیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس دن روزہ رکھتے اور عبادت میں مصروف رہتے۔ رات کو عید کے دوسرے تقاضے یعنی خوشی و مسرت وغیرہ پورے کرتے۔ اَکل و شرب میں توسع فرماتے۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ میں آمد تک یہ عید منائی جاتی تھی۔ قریش بھی اس دن کی عزت کرتے اور کعبہ پر غلاف چڑھاتے۔ لیکن جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اُمت نے ان کی شریعت کا ستیاناس کر دیا تھا، اسی طرح اس عید کی حقیقی روح کو ختم کر دیا تھا۔

بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پر فرعون کے مظالم سے یومِ نجات کو یوم عید قرار دیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس دن روزہ رکھتے اور عبادت میں مصروف رہتے۔ رات کو عید کے دوسرے تقاضے یعنی خوشی و مسرت وغیرہ پورے کرتے۔ اَکل و شرب میں توسع فرماتے۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ میں آمد تک یہ عید منائی جاتی تھی۔ قریش بھی اس دن کی عزت کرتے اور کعبہ پر غلاف چڑھاتے۔ لیکن جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اُمت نے ان کی شریعت کا ستیاناس کر دیا تھا، اسی طرح اس عید کی حقیقی روح کو ختم کر دیا تھا۔

غیر مسلم اور قدیم اقوام چونکہ اپنے سامنے کوئی نظریہ نہ رکھتی تھیں۔ اس لئے ان کی یہ عیدیں سوائے لہو و لعب کے اور کچھ نہ ہوتیں۔ مثال کے طور پر اہل مصر جو عہد قدیم سے عیدیں مناتے چلے آرہے تھے، ان کی عید نوروز جسے قرآن نے یوم الزینۃ سے تعبیر کیا ہے، ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت ہے۔ اس موقع پر بہت بڑا میلہ لگتا، دور دور سے لوگ رقص و تماشا میں حصہ لینے کے لئے آتے۔ عورتیں بن سنور کر خوشبوئیں لگا کر اور بھڑکیلے لباس زیب تن کر کے میلے میں شریک ہوتیں اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اپنے جسم کے بعض حصوں کو عریاں رکھتیں۔

اس طرح جناب ابراہیم علیہ السلام کی قوم اپنے شہروں میں بڑی شان و شوکت سے اپنی عید مناتی۔ ساری قوم شہر کے باہر ایک جگہ جمع ہو جاتی۔ مرد و زن کا مخلوط اجتماع ہوتا اور بے حیائی اور بت پرستی اپنی انتہا پر پہنچ جاتی۔ ایسی ہی ایک عید کے موقع پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بت خانہ کے بتوں کو پاش پاش کیا تھا۔

اسلام دین فطرت ہے لہٰذا اس نے بھی اپنے نام لیواؤں کے فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے خوشی و مسرت کے دو تہوار عنایت کئے ہیں جن کو عربی میں عید کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ ان اسلامی تہواروں کی اپنی جداگانہ اور امتیازی شان ہے۔ غیر مسلم اَقوام اپنے ایامِ عید میں اعتدال کی حدوں کو پھاند کر لہو و لعب، عیش و طرب، اَکل و شرب میں مشغول ہو جاتی تھیں کیونکہ ان کے نزدیک حاصل زندگی بس یہ کچھ ہے۔ اس کے برعکس اسلامی تہوار، اسلامی فلسفہ حیات کی عملی تفسیر پیش کر کے ہمیں اس ضابطے کے ساتھ پوری زندگی وابستہ رہنے کا سبق دیتے ہیں۔

**عید...عہدِ نبوت میں!**

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عرب کے اس خطہ میں وہ ساری برائیاں موجود تھیں جو کسی مٹنے والی قوم میں ہو سکتی ہیں۔ ان میں بت پرستی موجود تھی، وہ شرک پر مصر تھے۔ ان کی بداخلاقیاں اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ وہ خود ان سے تنگ آچکے تھے۔ ان کے اخلاق میں دوگونہ غلامی کے اثرات تھے۔ ابراہیمی کہلانے کے باوجود خوشی اور غمی کے ایام میں عادات واَطوار میں وہ دوسروں کے نقال اور مقلد تھے۔ ایک طرف ان پر رومن امپائر اثر انداز تھی، دوسری طرف فارسی شہنشاہیت، اور یہودی ساہوکاروں کے اثرات اس کے علاوہ تھے۔ عید کے معاملہ میں وہ

مجوسی عیدوں کے پابند تھے۔ کسی قوم کی ذلت کی یہ انتہا ہے کہ وہ غم اور خوشی میں دوسروں کی نقال ہو، اس کی اپنی قوم اور اپنی تاریخ اس معاملہ میں کوئی راہنمائی نہ کرے یا قومی مآثر کو ویسے ہی چھوڑ چکی ہو۔

## نبی کریم ﷺ کی بعثت

نبی کریم ﷺ فداہ ابی وامی کی بعثت نے عرب میں ایک ایسا انقلاب برپا فرمایا جس سے زندگی کے تمام گوشے متاثر ہوئے۔ شرک کی جگہ توحید نے لے لی۔ بت پرستی کی جگہ ایک اللہ کی عبادت کا ذوق پیدا ہوا۔ غلامی کی کڑیاں ایک ایک کرکے ٹوٹنے لگیں۔ حتیٰ کہ فارسی عیدوں کو بھی خیر باد کہہ دیا گیا۔ نوروز کے اثرات سے ذہن پاک ہوگئے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادِ گرامی کے ایک ایک فقرہ پر غور فرمایئے کہ آپ نے صنادیدِ عرب کو کس قدر استقلال بخشا اور انہیں ذہنی استقلال سے کس قدر اونچا کر دیا کہ جن کے وہ نقال تھے، ان کے مقتدا بن گئے۔

«عن أنس بن مالك قال كان لأهل الجاهلية يومان في كل سنة يلعبون فيهما فلما قدم النبي ﷺ المدينة قال كان لكم يومان تلعبون فيهما وقدأ بدلكم الله بهما غيرا منها يوم الفطر ويوم الأضحى»

(سنن نسائی:1/186)

”سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عرب نے سال میں عید کے دو دن مقرر کر رکھے تھے جن میں کھیلتے اور خوشی کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان دو دنوں کی بجائے، جن میں تم عید سمجھ کر کھیلتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوسرے دو دن بدل دیئے: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔“

اس حدیث سے کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں:

1۔ خوشی اور مسرت زندگی کا جزو ہے۔ چہرہ میں عبوست (تیوری) اور مزاج کی خشکی، نہ دیانتداری اور تقویٰ کی نشانی ہے، نہ ہی اسلام نے زندگی کے اس انداز کو پسند فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ بے حد خوش مزاج تھے۔ بچوں تک سے مذاق فرماتے، بوڑھوں سے خوش طبعی کی باتیں کرتے۔ پھر عجیب یہ ہے کہ اس مذاق میں نہ فحش ہوتا نہ جھوٹ۔ بظاہر خوش طبعی اور مذاق ہوتا اور مقصد صحیح ہوتا۔ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے سواری کے لئے اونٹ طلب کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لأحملنك علی ولد الناقة»

”میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا۔“

سائل پریشان ہوا اور اس نے کہا: حضرت! میں بچے کو کیا کروں گا۔ حضرت نے فرمایا:

«هل تلد الجمل إلا الناقة»

”اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔“

ایک ابو عمیر نامی بچے کی چڑیا مر گئی، آپ نے مزاحاً فرمایا:

«يا أبا عمير ما فعل النغير»

”ابو عمیر! تمہاری چڑیا کو کیا ہوا؟“

ہمارے بعض علماء اور صوفی حضرات چہرے کی عبوست کا نام تقویٰ اور زہد سمجھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ بہت خوش مذاق تھے، اس کے ساتھ طبیعت کا رجحان فحش کی طرف قطعاً نہ تھا:

«لم يكن فاحشا ولا متفاحشا» (شمائل)

”نبی کریم ﷺ فحش گو نہیں تھے۔۔۔“

2۔ دوسری قوموں کی نقالی قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے یہ بات حدیث شریف کے اَلفاظ «قدأبدلكم الله بهما خيرا» سے بخوبی ظاہر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سابق رواج کو یکسر بدل دیا۔ قومی استقلال کے لئے ضروری ہے کہ غیر مسلم قوموں کی نقالی اور فساق و اہل فجور کی مشابہت سے بچا جائے۔

یہی ایسا مقام ہے جہاں عصبیت کی ضرورت ہے، قومیں اسی طرح قوموں کو ہضم کر جاتی ہیں۔ آج ہمارے ہاں تعلیم یافتہ اور یورپ زدہ طبقہ اسی نقالی کا مریض ہے۔ کوئی فیشن کتنا قبیح کیوں نہ ہو، ہمارے نوجوان اور ہماری مستورات فوراً اس پر لپکتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس جدت پسندی نے اسلامی رسوم و عقائد کے ساتھ وابستگی کم کر دی ہے اور اس عصبیت کا فقدان ہمیں اسلام کی روح سے بھی ناآشنا کر رہا ہے۔

ہمارے ایک خاص فرقہ نے ملک میں کئی بدعتیں ایجاد کی ہیں۔ اسلام اور ائمہ اسلام کے اُسوہ میں اس کی کوئی سند نہیں، اس لئے وہ غیر مسلم اَقوام کی سنت سے استناد کرتے ہیں۔ حالانکہ غیر مسلم قوموں کی عادات ہمارے لئے قطعاً اقتدا اور استدلال کے قابل نہیں۔ شبِ براءت کی چراغاں، آتش بازی اور میلاد کے جلوس کسی دینی اساس پر مبنی نہیں اور اب تو یہ عادات تفاحش اور بے حیائی کی حد تک پہنچ رہے ہیں۔ اگر اس تفاحش کو بروقت نہ روکا گیا تو یقینا مزید خطرات کا موجب ہوگا۔

3۔ جاہلیت کی عیدوں میں عبادت اور ذکر الٰہی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ زیادہ سے زیادہ اس میں شاعری کی راہ سے زبان کی خدمت ہوتی تھی اور وہ بھی آئندہ جنگ کا پیش خیمہ ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ فداہ ابی وامی نے عید کے موقع پر مختصر سی عبادت و ذکر الٰہی کا التزام فرمایا۔ مردوں اور عورتوں کو تاکید فرمائی کہ وہ عید کے اجتماع میں شریک ہو جائیں لیکن اس اجتماع کو بھی جاہلی جلوسوں سے ممتاز رکھا۔ بلکہ ہر آدمی انفرادی طور پر مقامِ عید پر پہنچ کر نماز میں شریک ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر انفرادی طور پر واپس گھر پہنچ جائے نہ جلوس نکلنے کے لئے مقام کا تعین فرمایا، نہ جلوس کے اختتام کے لئے کوئی میدان مقرر فرمایا گیا۔ اجتماع کو

صرف عبادت تک محدود رکھا۔
«اللّٰھُمَّ صل وسلم علیه» ...
پورے دن کی مسرت، لباس، خوراک، خوش طبعی کی انفرادی مجالس تک محدود ہوگئی اور ہنگامہ بپانہ کیا گیا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی بچیاں پرانی جنگوں کے واقعات کو اَشعار اور نظموں کی صورت میں خوش الحانی سے پڑھتی تھیں۔ اس میں بھی مبالغہ آمیزی، غلو اور فحش گوئی ممنوع تھی۔ ایک

﴿وَتَرَكنا عَلَيهِ فِي الآخِرينَ0 سَلٰمٌ عَلٰى إِبرٰهيمَ﴾ (سورۃ الصافات)
ملت کو اَغیار کی نقالی سے بچایا اور اپنی تاریخ کو عملاً زندہ فرمادیا گیا۔ اکابر کی قربانیاں آنے والوں کے لئے اُسوہ اور زندگی کا پیغام بن گئیں۔ عید کے موقع پر اظہارِ مسرت کے لئے جنگی مشقوں کی اجازت مرحمت فرمائی۔ تھوڑے عرصہ کے لئے یہ مشقیں صحن مسجد کی زینت بنیں اور جہاد اور دفاع کے پیش نظر مرد تو

کام نہ علماء کا ہے، نہ عوام کا۔ عوام کے اَخلاق کی حفاظت کے لئے حکومت کو قانون بنانا چاہئے اور ایک اسلامی مملکت کی تشکیل ناممکن ہے جب تک اس میں اخلاق کے تحفظ کو لازمی مقام نہ دیا جائے۔
عیاش حکومتیں چونکہ حظوظِ نفس کے لئے قائم ہوتی ہیں۔ وہ اس کی تکمیل کے لئے اپنی مشینری کو حرکت میں لاتی ہیں۔ ان کا پورا قانونی ڈھانچہ اسی اساس پر قائم ہوتا ہے۔ جو حکومت اسلام کے نام پر قائم ہو،

ضرورت ہے کہ آج کی عید کو زندہ عید کی صورت دی جائے۔ ہمارے ہاں عید کی خوشی میں خباثت اور بداخلاقی کے دفتر کھل جاتے ہیں۔ دن میں کئی کئی شو ہوتے ہیں۔ اخلاقی انارکی سے نوجوان ذہن ماؤف ہوتا ہے۔ عیاشی کی راہ سے طبائع پر وہن اور جبن کا استیلاء ہوتا ہے۔ نوجوان جرأت وشجاعت کی بجائے ذلیل حرکات پر اُتر آتے ہیں۔ جو کچھ ان شیطانی گھروندں میں دیکھتے ہیں، اسے عملی صورت دے کر اپنے لئے موت اور ماں باپ کے لئے شرمساری کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ یہ معکوس ترقی ہے جس کی طرف اکابر ملت اور قیادتِ کبریٰ کو جلد سے جلد توجہ دے کر اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔ معلوم ہے کہ یہ کام نہ علماء کا ہے، نہ عوام کا۔ عوام کے اَخلاق کی حفاظت کے لئے حکومت کو قانون بنانا چاہئے اور ایک اسلامی مملکت کی تشکیل ناممکن ہے جب تک اس میں اخلاق کے تحفظ کو لازمی مقام نہ دیا جائے۔

لڑکی نے نبی کریم ﷺ کی تعریف میں فرمایا:
وفينا نبي يعلم ما في غد
”ہمارے نبی کل کی باتیں جانتے ہیں۔“
تو اسے روک دیا۔ چھوٹے بچے، نابالغ بچیاں اپنے قومی محاسن اور مشاعر کو نظموں میں پڑھیں، خوش آوازی سے پڑھیں، اس میں کچھ حرج نہیں۔ ملی ذہن کو عبوست اور بدمزاجی سے بچانا چاہئے۔ یہی عید کی روح ہے۔
ایک عید بھوک کی یادگار ہے۔ رمضان المبارک خوراک کے عادت سے ہٹ کر جاری نظام کے ساتھ ختم ہوا۔ اس امتحان میں کامیابی کے بعد ایک دن مسرتوں کے لئے وقف ہوگیا۔ دوسری عید میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا اسماعیل علیہ السلام، سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی جفاکشی اور ہجرت اور ان مصائب میں کامیابی پر مسرت فرمائی گئی۔ اس پاکیزہ خاندان کی وفاداریوں، اور صبر آزمایوں کو تاریخی حیثیت عنایت فرما کر بقاءِ دوام عطا فرمایا گیا گ

اسے دیکھتے ہی تھے۔ عورتوں کو بھی اجازت دی گئی کہ اگر وہ پسند کریں تو اس دلنواز منظر کو ملاحظہ کریں۔ مجاہد پیدا کرنے والی مائیں جہاد کی عملی تربیت اور دفاع کی کارگزاریوں سے دلشاد ہوں اور اس انداز سے کہ اس کا اخلاق پر بھی کوئی اثر نہ پڑے۔
ضرورت ہے کہ آج کی عید کو زندہ عید کی صورت دی جائے۔ ہمارے ہاں عید کی خوشی میں خباثت اور بداخلاقی کے دفتر کھل جاتے ہیں۔ دن میں کئی کئی شو ہوتے ہیں۔ اخلاقی انارکی سے نوجوان ذہن ماؤف ہوتا ہے۔ عیاشی کی راہ سے طبائع پر وہن اور جبن کا استیلاء ہوتا ہے۔ نوجوان جرأت وشجاعت کی بجائے ذلیل حرکات پر اُتر آتے ہیں۔ جو کچھ ان شیطانی گھروندں میں دیکھتے ہیں، اسے عملی صورت دے کر اپنے لئے موت اور ماں باپ کے لئے شرمساری کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ یہ معکوس ترقی ہے جس کی طرف اکابر ملت اور قیادتِ کبریٰ کو جلد سے جلد توجہ دے کر اس کی اصلاح کرنی چاہئے۔ معلوم ہے کہ یہ

اس کا پورا مزاج اسلامی ہونا چاہئے۔ نہ وہ غم میں غیر مسلموں کی نقل کرے، نہ وہ خوشی میں اپنے مزاج اور معیارِ اخلاق کو بدلے۔ اسے پہلے بھی مسلم ہونا چاہئے اور آخر میں بھی مسلم۔ اس کے تمام انسانی حقوق کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے ارشادات پر پورے اُتریں اور خدا تعالیٰ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کے اتباع میں ہر کام کریں۔

## مسائل عید الفطر

**تکبیراتِ عید:**
اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ
عید کی رات: یہ بھی عبادت کی رات ہے۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
«من قام ليلة العيد إيمانا واحتسابا لم يمت قلبه حين تموت القلوب»(قیام اللیل)
”جو عید کی رات ایمان کے طور پر اور ثواب کی طلب کے لئے قیام کرے گا۔ تو اس کا دل قیامت کی

ہولنا کیوں میں مطمئن رہے گا۔"

بعض سلف اس رات بھی چالیس رکعت ادا فرماتے تھے۔

**غسل:** عید کے دن غسل مستحب ہے، صحابہ و تابعین عید کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔

**کپڑے:** عید کے لئے نئے کپڑے پہننے چاہئیں۔ اگر یہ میسر نہ ہوں، تو دھلے ہوئے پہنے۔

**خوشبو:** سیدنا حسن ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا:

"ہم عید کے دن عمدہ خوشبو استعمال کریں۔"

**ناشتہ:**

عید الفطر کے دن کچھ کھا کر نماز کے لئے جانا سنت ہے (ابن ماجہ)...

کیونکہ اس دن روزہ رکھنا شیطانی فعل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میٹھی چیز ہو۔ نبی کریم ﷺ اس دن کھجوریں کھانے میں طاق کا خیال رکھتے تھے۔ ہم لقموں میں طاق کی خیال رکھ سکتے ہیں۔

**فطرانہ:**

نمازِ عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے۔ یہ صدقہ صرف مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ نوکر ہو یا مالک، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، روزہ رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، آزاد ہو یا غلام، مسافر ہو یا مقیم سب کو اَدا کرنا چاہئے کیونکہ روزے میں بعض کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ صدقہ فطران کا کفارہ بن جاتا ہے۔

**وزن:** صدقہ فطر ایک مدنی صاع (مدینہ کا پیمانہ) ہے جو ہمارے وزن کے مطابق دو سیر گیارہ چھٹانک ہے۔ فی کس اتنی گندم یا اس کی قیمت ادا کرنا چاہئے۔

**اجتماعیت:**

صدقہ فطر اَدا کرتے وقت اجتماعیت کو قائم رکھنا چاہئے۔ تمام مسلمانوں سے جمع کر کے تقسیم کرنا چاہئے۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں اس کی وصولی کا سرکاری انتظام تھا۔ سیدنا عمر ؓ بھی خود تقسیم کرنے کی بجائے اجتماعی کھاتہ میں جمع کروا دیتے تھے۔ انفرادی طور پر دنیا پسندیدہ نہیں ہے۔

**پیدل جانا:**

نماز عید کے لئے عید گاہ کی طرف پیدل جانا بہتر ہے۔ نبی کریم ﷺ سے اس سلسلے میں متعدد احادیث آئی ہیں۔ اکثر صحابہ ؓ کا بھی یہی مسلک اور عمل ہے۔

**تبدیلی راستہ:**

رسول اکرم ﷺ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے واپس تشریف لاتے اور راستہ میں تکبیراتِ عید کہتے۔

**عورتیں بھی جائیں:**

نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے عید گاہ جانے پر بھی زور دیا ہے حتیٰ کہ کسی عورت نے نماز نہ پڑھنی ہو تو بھی جائے۔ صرف خطبہ سن لے اور اجتماعی دعا میں شامل ہو جائے۔ لیکن عورتوں کو سادہ لباس پہن کر جانا چاہئے۔ بھڑکیلے لباس سے قطعاً پرہیز کرنا چاہئے۔ پاؤں کے جوتے بھی سادہ ہوں، خوشبو لگا کر ہرگز نہ جائیں۔

**نماز کا وقت اور جگہ:**

طلوعِ آفتاب سے قبل زوال تک نمازِ عید کا وقت ہے۔ لیکن اول وقت میں ادا کرنا بہتر ہے۔ نماز شہر سے باہر کھلے میدان میں ادا کرنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ نے صرف بارش کے موقع پر مسجد میں نمازِ عید ادا کی ہے۔ عید گاہ میں منبر نہیں ہونا چاہئے۔

**اذان اور اقامت:**

نبی کریم ﷺ نے نماز عید کیلئے کبھی اذان و اقامت نہیں کہلوائی۔ (صحیح بخاری)

**نماز کا طریقہ:**

عید کی نماز دو رکعت ہے اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ 12 تکبیریں ہیں۔ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ قراءت سے پہلے کہنی چاہئیں۔

**پہلے نماز پھر خطبہ:**

عید گاہ جا کر امام پہلے نماز ادا کروائے پھر خطبہ دے۔ نبی کریم ﷺ اور خلفاءِ راشدین ؓ کا یہی دستور رہا ہے۔

**سورتیں:**

نبی کریم ﷺ سورۃ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں سورۃ الغاشیہ، بعض اوقات پہلی میں سورۃ ق اور دوسری میں سورۃ القمر اور اسی طرح بعض دفعہ پہلی میں سورۃ الانبیاء اور دوسری میں سورۃ الشمس پڑھا کرتے تھے۔

**نفلی نماز نہیں:**

عید کے دن نمازِ عید سے پہلے یا بعد کوئی نفلی نماز نہیں ہے۔

**خطبہ عید:**

امام مالک ؒ فرماتے ہیں:

« لا ينصرف حتى ينصرف الإمام» (موطا)

"خطبہ عید سنے بغیر کوئی آدمی عید گاہ سے نہ جائے۔"

**مبارکباد:**

عید کے روز صحابہ کرام ؓ آپس میں ملتے تو یہ کہتے: «تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ» (فتح الباری)

یعنی اللہ تعالیٰ ہم، تم سب سے قبول فرمائے۔

**نماز کی قضا:**

اگر عید کی نماز رہ جائے تو دوسری نمازوں کی طرح اس کی قضا کی جاسکتی ہے۔ (صحیح بخاری)

**عید کے بعد چھ روزے:**

سیدنا ابوایوب انصاری ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھ لئے، اس کو سال بھر کے روزوں کا ثواب ہے۔"

☆☆☆☆☆




## بچے کی نیشنلٹی کا حصول

**سوال:** میں ایک یورپی ملک میں رہائش رکھتا ہوں، جہاں اللہ نے مجھے ایک نومولود سے نوازا ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے وہ اس ملک کی نیشنلٹی کا حقدار ہے، جس کے لیے کسی قسم کی یا کسی اور قسم کے حلفیہ بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہیں پڑھا ہے کہ کسی غیر مسلم ملک کی قومیت لینا حرام ہے، سوائے شدید ضرورت کے جائز نہیں ہے، کیا ایک باپ کی حیثیت سے میں اس کی قومیت لینے یا نہ لینے کا فیصلہ کر سکتا ہوں یا پھر اسے بچے پر چھوڑ دوں کہ وہ بالغ ہو کر خود اپنا فیصلہ کر لے؟ اس مسئلہ میں میں اس وقت ایک ذہنی کشمکش کا شکار ہوں، صرف اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اگر ایسا کرنا حرام ہے تو کہیں میں اس گناہ کا مرتکب نہ ہو جاؤں۔

**جواب:** تمام اشیاء میں اصل تو مباح ہونا ہے، اپنے لیے یا بچے کے لیے قومیت لینا جائز ہے، کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو شہریت یا وطنیت کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔ ایک شخص جس جگہ پیدا ہوا، یا عمر کا ایک واجبی حصہ وہاں گذارا ہو تو اس کی طرف نسبت کرنا اور اس کے لیے بھلائی چاہنا ایک فطری امر ہے۔

نبی کریم ﷺ جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تو مکہ سے باہر نکلتے وقت ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر آپ نے یہ الفاظ کہے:

"اللہ کی قسم! اے مکہ! تم اللہ کی زمینوں میں سے سب سے بہتر جگہ ہو، مجھے بھی سب سے زیادہ عزیز ہو اور اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں وہاں سے کبھی نہ نکلتا۔" (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

نبی ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے، حالانکہ اس وقت مکہ شرک کا گڑھ تھا اور خود انہیں ان کے اہل وعیال، ان کے ساتھیوں کو اہل مکہ کی جانب سے شدید اذیت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم تھی کہ مکہ ان کا وطن اور ان کی جائے پیدائش تھی۔ یہ بات بھی ثابت ہے کہ جب آپ بحیثیت اپنے نئے وطن، مدینہ پہنچے تو انہوں نے یہ دعا کی تھی:

"اے اللہ! ہمیں مدینہ بھی اتنا ہی محبوب بنا دے جتنا کہ مکہ کو ہمارے لیے محبوب بنایا تھا بلکہ کچھ زیادہ ہی بنا دے۔" (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

قومیت کا کارڈ اسی نسبت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس کے حامل کو بہت سے حقوق عطا کرتا ہے۔ کسی ملک کی طرف نسبت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس ملک کے اکثریتی دین کی طرف نسبت ہو رہی ہے۔ عیسائی اسلام کے آغاز سے لے کر اب تک مسلم ممالک میں رہتے آئے ہیں، تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کی نسبت اسلام کی طرف ہو گئی، وہ اس لیے کہ وہ اپنی دینی خصوصیات کو برقرار رکھتے رہے، اور بالکل اسی طرح اگر ایک مسلمان کسی یورپی ملک کی طرف نسبت رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کے دین کی طرف بھی نسبت رکھتا ہے۔ بلکہ یہ بات تو معروف ہے کہ یورپی ممالک کے قوانین اس ملک کے شہریوں کو کوئی بھی عقیدہ رکھنے اور اپنے دینی شعائر کی ادائیگی کی کھلی اجازت دیتے ہیں اور اس حق میں وہ باقی لوگوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

تو آپ کے لیے بہتر شکل یہی ہے کہ قومیت کا سرٹیفیکیٹ حاصل کر لیں اور جو آپ کے ذہن میں تردد اور اجنبیت کا احساس ہے، اسے پوری طرح جھٹک دیں کہ اس کے آپ کے اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال کے اوپر منفی اثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔

آپ کو اپنی شہریت کے کامل شعور کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں اور ان تمام حقوق کو بروئے کار لانا چاہیے جن کی دستور اور قانون ضمانت دیتا ہے اور اگر اس مقصد کے لیے حلف بھی اٹھانا ہو تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ اس کا تعلق بھی ایک جائز امر کے لیے

قومیت کا کارڈ اسی نسبت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس کے حامل کو بہت سے حقوق عطا کرتا ہے۔ کسی ملک کی طرف نسبت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس ملک کے اکثریتی دین کی طرف نسبت ہو رہی ہے۔ عیسائی اسلام کے آغاز سے لے کر اب تک مسلم ممالک میں رہتے آئے ہیں، تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کی نسبت اسلام کی طرف ہو گئی، وہ اس لیے کہ وہ اپنی دینی خصوصیات کو برقرار رکھتے رہے، اور بالکل اسی طرح اگر ایک مسلمان کسی یورپی ملک کی طرف نسبت رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کے دین کی طرف بھی نسبت رکھتا ہے۔ بلکہ یہ بات تو معروف ہے کہ یورپی ممالک کے قوانین اس ملک کے شہریوں کو کوئی بھی عقیدہ رکھنے اور اپنے دینی شعائر کی ادائیگی کی کھلی اجازت دیتے ہیں اور اس حق میں وہ باقی لوگوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

اور وہ ہے ملک کے ساتھ وفاداری وراس کے قوانین کا احترام کرنا اور وفاداری کا یہ تقاضا ایک فطری امر ہے جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے اور یہ تقاضا دین اور عقیدے کے ساتھ وفاداری سے متعارض نہیں ہے۔ (فتویٰ کونسل یورپ)

## گھریلو جانوروں کو خصی کرنا

**سوال:** ہم دوستوں کے درمیان یہ مسئلہ بحث کا باعث بناہوا ہے کہ آیا گھریلو جانور جیسے بلی، خرگوش وغیرہ کو خصی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جرمنی میں یہ بات معروف ہے کہ ایسے گھریلو جانور کی پیدائش کے بعد ایک سال کے اندر اندر اسے خصی کر دیا جاتا ہے تاکہ ان کی افزائش نہ ہو اور خود اسے بھی تنہا پن کا احساس نہ ہو۔

**جواب:** اس طرح کے جانوروں کے بارے میں اصل تو اس کا ناجائز ہونا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان حیوانات کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ ان میں افزائش ہو۔ جانوروں کو بھی ہماری طرح اُمت کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾ (سورۃ الأنعام:38)

”اور زمین میں کوئی رینگنے والا جانور نہیں ہے اور نہ ہی کوئی پرندہ جو اپنے پروں سے اڑتا ہو، الا یہ کہ وہ تمہاری طرح کئی امتیں ہیں، ہم نے اس کتاب میں کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی ہے، پھر وہ سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔“

کئی مالکی اور شافعی اہل علم نے اس کے عدم جواز کا صراحۃً ذکر کیا ہے اور ان کی دلیل سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ

نبی ﷺ نے گھوڑوں اور مویشیوں کو خصی کرنے سے منع کیا ہے۔ (مسند احمد)

اور ایسے ہی مادہ جانوروں کے رحم کو کاٹ پھینکنا بھی ناجائز ہے الا یہ کہ ایسا کرنے میں کوئی مصلحت مقصود ہو یا کسی بگاڑ کو دور کرنا ملحوظ ہو اور اگر ایسا کرنے کی نوبت بھی آجائے تو یہ کام ایسے لوگوں سے کروایا جائے جو اس کے ماہر ہوں تاکہ جانوروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ کونسل تمام مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت کرتی ہے کہ جو شخص پالتو جانور رکھتا ہو یا ان کا نگہبان ہو تو وہ ان کے کھانے، پینے، رہنے اور علاج معالمہ کا پورا پورا خیال رکھے۔ (فتویٰ کونسل یورپ)

## انسان یا جانور سے اخذ کردہ بالوں کا استعمال

**سوال:** کیا ایسے بالوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے جو کسی انسان یا حیوان سے مستعار لیے گئے ہوں؟

**جواب:** اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلقت، صورت، قامت، ہیئت کے اعتبار سے سب سے بہترین انداز میں پیدا کیا ہے اور بعض اوقات اس میں جو بگاڑ اور نقص ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ ان امراض اور آزمائشوں کا ایک حصہ ہے جو انسان کو اس دنیا میں پیش آتے ہیں۔ ان کا علاج اور ان کی درستگی شریعت کے ضوابط اور اخلاقی حدود ہی کے ضمن میں کی جانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ 0 الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ 0 فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ﴾ (سورۃ الانفطار:6-8)

”اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈالا ہے؟ کہ جس نے تجھے پیدا کیا، تیری نوک پلک سنواری، تجھے متوازن بنایا اور پھر جس شکل میں چاہا تجھے ایک روپ عطا کر دیا۔“

اور ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾

”بے شک ہم نے انسان کو بہترین قامت میں پیدا کیا۔“ (سورۃ التین:4)

اللہ تعالیٰ نے بالوں کے ذریعہ مرد اور عورت دونوں کو زینت عطا کی اور جہاں تک مانگے تانگے کے بالوں کا تعلق ہے تو اگر وہ انسان کے اپنے بالوں کے ساتھ جوڑ کر پہنے جائیں تو وہ 'وصل' کی وہ شکل ہے جس سے نبی ﷺ سے منع کیا ہے۔ ارشاد ہوا:

«لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ» (صحیح مسلم)

”اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتے ہیں، اس عورت پر جو بالوں کو (مستعار بالوں) سے جوڑتی ہے اور جو اس کا مطالبہ کرتی ہے اور اس عورت پر جو اپنے بدن کو گدواتی ہے اور جو اس کا مطالبہ کرتی ہے۔“

مالکی فقہا نے تو اسے بالکل حرام قرار دیا ہے اور شافعی فقہاء کے نزدیک بھی وہ حرام ہے اگر مستعار بال انسان کے ہوں، اگر ضرورت پڑے تو اس کا علاج بھی مشروع طریقے سے ہونا چاہیے۔

جدید طریقہ علاج میں یہ سہولت موجود ہے کہ ایک گنجے انسان کے اپنے ہی سر پر بال اگائے جا سکیں اور یہ ایک جائز طریقہ ہے کہ جس سے مرد اور عورت دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ البتہ وہ عورتیں جو کسی علاج (جیسے کیموتھراپی) یا کسی اور سبب کی بنا پر بالوں سے محروم ہو چکی ہوں اور ان کے اپنے بال نہ اگائے جا سکتے ہوں اور خود انہیں بھی اس صورتحال سے شدید پریشانی لاحق ہو تو وہ وِگ کا استعمال کر سکتی ہیں کیونکہ جو چیز منع ہے وہ اپنے بالوں میں نقلی بالوں کا ملانا ہے، نہ کہ مطلق بالوں کا پہننا۔

## نیشنل لاٹری سے خیراتی کاموں کے لیے مدد طلب کرنا

**سوال:** برطانیہ میں ایک ایسی تنظیم موجود ہے جو خیراتی اور رفاہی اداروں کو فنڈز مہیا کرتی ہے، یہ تنظیم نیشنل لاٹری کے نام سے معروف ہے تو کیا اسلامی اداروں کو ایسی تنظیم سے فنڈز مانگنے کی اجازت ہے؟

اور آیا اگر یہ تنظیم اسلامی اداروں کی مدد کے لیے از خود فنڈز مہیا کرنے کا عندیہ ظاہر کرے تو یہ فنڈز لیے جاسکتے ہیں؟

اور کیا مسلم سرکردہ حضرات کو اس تنظیم کی مشاورتی کمیٹی میں شمولیت کی اجازت ہوگی؟

**جواب:** مال کے قبول کرنے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسے کیسے حاصل کیا گیا ہے، اگر یہ مال کسی جہت سے بحیثیت عطیہ (Donation) دیا گیا ہے تو وہ جائز شمار ہوگا، چاہے اس کے لیے درخواست دی گئی ہو یا بغیر درخواست کے ملا ہو، مشہور واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی نے نبی ﷺ کو بطور ہدیہ گوشت بھیجا۔ نبی ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ گوشت بریرہ کو بطور صدقہ دیا گیا تھا، تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«هِيَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ» (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

"یہ اس کے لیے صدقہ ہے لیکن ہمارے ہدیہ ہے۔"

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ اور آپ کی آل پر صدقہ کا مال حرام ہے، لیکن اگر کوئی چیز بطور ہدیہ انہیں پیش کی جائے تو وہ جائز ہے۔ اسے انتقال ملکیت کہا جاتا ہے۔ یعنی اصلاً وہ ایک ناجائز مال تھا لیکن وہ ایک دوسرے شخص کے پاس ایک جائز طریقے سے پہنچا تو پھر حکم بھی بدل جائے گا۔

البتہ ایسی تنظیم سے بطریق عطیہ کسی بھی مال کو قبول کرنے میں ان باتوں کا خیال رکھا جائے کہ

1۔ مذکورہ تنظیم کی طرف سے یہ شرط نہ عائد کی جائے کہ قبول کرنے والا ادارہ اس تنظیم کی ترویج کی خاطر پروپیگنڈہ کرنے کا پابند ہوگا۔

2۔ یا یہ کہ مذکورہ عطیات کسی خلافِ شرع کام میں استعمال ہوں گے۔

3۔ یا یہ عام پبلک کی مصلحت کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

رہی دوسری بات کہ آیا اس تنظیم کی مشاورتی کمیٹی میں شامل ہوا جاسکتا ہے تو ہم اسے ناجائز سمجھتے ہیں کیونکہ یہ بات تو طے ہے کہ اس تنظیم کی کمائی حرام طریقے سے استعمال ہوئی ہے، یعنی جوئے کی رقم سے اور ان کی مشاورتی کمیٹی میں شمولیت کا مطلب ہے کہ ان کے غیر اسلامی کاموں میں حقیقی اور عملی طور پر معاونت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۃ المائدۃ: 2) "اور گناہ اور سرکشی پر تعاون نہ کرو۔"

(فتویٰ کونسل یورپ)

### کونسل کے ایک پرانے فتویٰ میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ

مسلم یا غیر مسلم ارادوں یا حکومتوں سے عطیات قبول کیے جاسکتے ہیں چاہے ہمارے ظن غالب کے مطابق وہ اسلامی نقطۂ نظر سے مشروع نہ بھی ہوں۔ البتہ اگر وہ بذات خود حرام ہوں جیسے شراب اور سؤر تو وہ جائز نہیں ہیں اور یہ اس لیے کہ ان کی طرف سے عطیات کا قبول کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہدیہ قبول کیا جائے اور یہی جمہور فقہاء کی رائے ہے۔

اور جب یہ عطیات ہمارے تصرف میں آجائیں تو انہیں شریعت کے قانون کے مطابق ہی خرچ کرنا لازم ہے۔

لیکن دو صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں یہ عطیات قبول نہیں کیے جائیں گے:

1۔ اگر ان عطیات کی بنا پر ایک مسلمان کی اسلام اور اہل اسلام سے وفاداری کمزور ہوتی نظر آئے۔

2۔ یہ عطیات مشروط ہوں یعنی کسی ایسی شرط کے ساتھ ہوں جس سے مسلمانوں کی اپنی مصلحتیں متاثر ہوں۔ (کونسل کے پانچویں اجلاس منعقدہ مئی 2002ء کے فتاویٰ)

ایک رائے یہ بھی ہے کہ

یہ عطیات مساجد کی تعمیر اور قرآن کریم کے نسخوں کی طباعت کے لیے جائز نہیں ہوں گے۔ میں اس رائے کو قوی سمجھتا ہوں۔ (ص،ح)

## الیکٹرانک کھیلوں کی پروگرامنگ کرنا

**سوال:** میں نے اللہ کے فضل سے پروگرامنگ کے موضوع پر اپنی تعلیم کو مکمل کر لیا ہے، مجھے (UIBISOFT) کمپنی سے ملازمت کی پیشکش موصول ہوئی ہے جو کہ الیکٹرانک کھیلوں کا کاروبار کرتی ہے، میرا کام اس گروپ کے ساتھ ہوگا جو جنگ پر مبنی ایک کھیل سے متعلق ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ کام میرے لیے جائز ہے جب کہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ کھیل صرف وقت کا ضیاع ہے اور اس کھیل میں نری لڑائی ہے، قتل وغارت ہے، تو کیا ایک مسلمان کے لیے ایسا کھیل کھیلنا بھی جائز ہے؟

**جواب:** اسلام میں کھیلوں کے حکم کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ان کی ماہیت کیا ہے؟ ان کا ہدف اور ان کا مقصد کیا ہے؟

کھیل چاہے الیکٹرانک ہو یا کچھ اور ہو، اگر وہ اصلاً جائز ہو، اس میں کوئی حرام چیز استعمال نہ ہوتی ہو، نہ ہی وہ جوئے کا حصہ ہو اور نہ ہی رِھان ہو (جیسے مروجہ شرطیہ گھڑ دوڑ وغیرہ) تو پھر یہ اباحت کے حکم میں آتا ہے، حسب حالت ان پر شریعت کے پانچ احکامات میں سے کوئی حکم لگایا جائے گا (یعنی حلال، مستحب، مباح، حرام، مکروہ) چنانچہ وہ کھیل جو انسان کی علمی، فنی، فکری اور ٹیکنیکل صلاحیتوں کو جلا بخشیں تو وہ سب مستحب ہوں گے بلکہ اپنی اپنی اہمیت کے اعتبار سے بعض دفعہ فرض کفایہ بھی ہو سکتے ہیں اور یہی کھیل حرام قرار دیے جائیں گے اگر ان میں مندرجہ ذیل قباحتیں پائی جائیں:

کھیل کے آلات بذات خود حرام ہوں، یا جوئے، ناجائز مقابلوں پر مشتمل ہوں، یا اسلام کے بنیادی اصولوں کی مخالفت پر مشتمل نشانات یا نعرے رکھتے ہوں۔

یا بدی یا شہوت کو ابھارتے ہوں یا سرکشی اور نسلی تفریق کے داعی ہوں۔

یا ایسے مواد پر مشتمل ہوں جن سے خود انسان کو، اس

کے معاشرے اور ماحول کو نقصان پہنچے اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا کہ کہیں ان کی وجہ سے نمازیں تو ضائع نہیں ہو رہیں یا کسی کا حق تو مارا نہیں جا رہا۔

ہم دو مزید باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں:

1۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی، اپنے دین اور اپنی دنیا میں اولیات کا تعین کرے یعنی جو چیزیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، انہیں سرفہرست رکھے اور پھر اس کے بعد جو چیز اہم ہو، اس کا خیال کرے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایک آدمی کے قدم روز محشر سے نہیں ہٹائیں جائیں گے، جب تک کہ وہ ان باتوں کا جواب نہ دے، عمر کہاں گنوائی؟ جوانی کہاں صرف کی؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اپنے علم کے مطابق کہاں تک عمل کیا۔“ (جامع ترمذی، سنن دارمی)

2۔ یہ کھیل چاہیے مباح کیوں نہ ہوں، انہیں اگر بہت وقت دیا جائے تو لازمی طور پر ایسا شخص ان تمام ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرے گا جو اس پر اس کے رب، اس کے اپنے نفس، اپنے خاندان اور اپنی امت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔

ایسی صورتحال کو اصول فقہ کی نظر میں تحریم الوسائل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یعنی ایک چیز اس لیے حرام قرار دی جاتی ہے کہ وہ حرام کا ارتکاب کرنے کا راستہ بنتی ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان کھیلوں سے بچا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ ایسی کمپنی میں کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تو اس کا حکم بھی کھیل کی نوعیت کے مطابق ہو گا، یعنی اگر وہ کھیل مباح ہے تو اس کا کام بھی مباح ہو گا۔ اگر مباح نہیں ہے تو یہ کام بھی جائز نہیں۔

اور اس بات کا بھی ادراک ہونا چاہیے کہ اگر یہ کھیل ضرر رساں ہے تو دوسروں تک اس کا ضرر پہنچنے کی وجہ سے ایسی پروگرامنگ کا گناہ بھی بڑا ہو گا۔

اور اس کے برعکس اگر یہ پروگرامنگ مضر نہیں ہے تو پروگرامنگ کرنے والا اس عمل کے ذریعے اپنی صلاحیتوں اور تجربوں کو مزید نکھار سکتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جو محض اسے کھیلنے والا نہیں حاصل کر سکتا، اس لیے اس کے بارے میں جو بھی حکم لگایا جائے گا وہ مؤخر الذکر کے مقابلے میں ہلکا ہی ہو گا۔

آخر میں کونسل تمام مسلمانوں سے یہی چاہے گی کہ وہ اس بات کا پوری پوری کوشش کریں کہ وہ ایسا ہی کام کریں جو دنیا اور آخرت میں ان کے لیے فائدہ مند ہو اور اپنے بچوں کو بھی مفید علم کی تحصیل اور نیک اعمال کی ادائیگی پر آمادہ کرتے رہیں۔ ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ ہر عمل میں سنجیدگی، عمدگی اور حسن کو ملحوظ رکھیں اور وہی اعمال کریں کہ جن سے اللہ کے بندوں کو اور تمام خلائق کو نفع ہو۔ واللہ اعلم

## غلامانِ شہِ ابرار

## (قرآن حکیم۔۔۔سورۂ فاتحہ۔۔۔کی روشنی میں)

جو غلامانِ شہِ ابرار ہیں — دُور ان سے سب غم وآزار ہیں
ہیں برائے دوستاں نرم ورحیم — دشمنوں کے واسطے تلوار ہیں
فضل وخوشنودیٔ رب کی جستجو — جب بھی دیکھو اس میں ہی سرشار ہیں
سربکف دن کو خدا کی راہ میں — یادِ حق میں رات بھر بیدار ہیں
گریۂ شب سے ہیں دامن ان کے تر — خلوتوں میں محوِ استغفار ہیں
بدگمانی، بدزبانی سے وہ دور — خوش دل وخوش فکر وخوش اطوار ہیں
نورِ ایماں سے منور ان کے دل — پاک ان کے سیرت وکردار ہیں
ان کے ہاتھوں پر عیاں داغِ سجود — ان کے چہرے مطلعِ انوار ہیں
ان کا ذکر انجیل میں، تورات میں — جا بجا قرآن میں آثار ہیں
ایک کھیتی کی سی ہے ان کی مثال — لہلہاتے جس کے برگ وبار ہیں
سامنے اللہ کے جھکتے ہیں وہ — رشکِ شاخِ نخلِ میوہ دار ہیں
ان سے ہے وعدہ خدائے پاک کا — مغفرت اور اجر کے حق دار ہیں

خواجہ محمد عارف، برمنگھم




نیکی چھوٹی ہو یا بڑی، سِرّی ہو کہ جہری، اپنوں سے کی جائے یا بیگانوں سے یہ اپنی ذات میں نیکی ہی رہتی ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴾

اور آخرت میں نیکی کا صِلہ تبھی ممکن ہو گا جب نیکی سے جُڑی تمام شرائط پوری ہوں۔ یعنی نیکی کرنے والا للّٰہیت وخلوص سے سرشار ہونے کے ساتھ ساتھ جن کے ساتھ نیکی کی جائے اُن سے کسی مفاد کی امید اور ستائش و تعریف کی تمنا نہ کرے۔ بصورتِ دیگر نیکی نیکی نہیں رہتی بلکہ وبالِ جان بن جاتی ہے۔ مثلاً

نماز نیکی کی ایک اعلیٰ ترین صورت ہے۔ اسلام میں یہ واحد عبادت ہے جس میں عبودیت اپنے کامل ترین مظہر میں جلوہ گر ہو کر عابد اور معبود کی قُربتوں کو منتہائے کمال تک لے جاتی ہے۔

دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد پہلا فرض جس سنائی گئی۔

اِسی طرح شہادت بھی نیکی کے اعتبار سے اسلام میں ایک اعلیٰ ترین مقام رکھتی ہے۔ صحیح حدیث کے مطابق شہید کے خون کا قطرہ بعد میں گرتا ہے جبکہ اس کے تمام گناہ پہلے مٹا دیے جاتے ہیں۔ پھر اسی شہید کے متعلق آپ ﷺ کے ایک ارشاد میں دوسرا پہلو یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بروزِ قیامت شہید سے بازپرُس ہو گی کہ تُو نے میرے لیے کیا کیا؟ وہ کہے گا تیرے لیے اپنی جان کا نذرانہ دیا۔ جواب آئے گا: ابنِ آدم! تُو جھوٹ بولتا ہے۔ تُو نے اس لیے جان دی کہ لوگ تیری مدح سرائی کریں۔ وہ تم نے کروالی اب میرے پاس تیرے لیے کچھ نہیں۔ بعد ازاں اُسے دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔

شہادت بے شک بیسیوں فضائل سے لبریز ایک اعلیٰ ترین نیک عمل ہے، مگر جب اس نیکی میں خلوص کی بجائے ریاکاری شامل ہوئی تو یہ نہ صرف بے نتیجہ رہا فی سبیل اللہ مساجد، مدارس، سکولز، ہسپتال، پُلیں یا سڑکیں تعمیر کروانا۔ کسی بیوہ، یتیم، معذور، بیمار یا عالم دین کی کفالت رمالی امداد کرنا۔ واٹر فلٹریشن پلانٹ یا نلکا لگوانا، کنواں یا نہر کھدوانا۔ کسی نیک مقصد کیلئے زمین، مکان یا کوئی جائیداد وقف کرنا۔ کسی غریب بچی کی شادی کروانا وغیرہ وغیرہ) بھی نیکی کی عظیم انواع میں سے ہیں۔ صدقات کی اہمیت و فضیلت پر سیکڑوں آیات اور صحیح روایات موجود ہیں۔

شریعت میں جہاں بار بار صدقہ دینے کی ترغیب اور صاحبِ صدقہ کو عظیم اجر و ثواب کا مژدہ سنایا گیا ہے وہاں اس کا ایک زاویہ ایسا بھی ہے کہ یہی صدقہ صاحبِ صدقہ کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ کیونکہ صدقات و خیرات میں جہاں نیک نیتی کا عمل دخل بے حد ضروری ہے وہاں اس میں احسان جتانے یا ایذا پہنچانے کا ہلکا سا شائبہ بھی کارفرما نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ ایسی نیکی کے اکارت ہونے میں ادنی سا

اِسی طرح شہادت بھی نیکی کے اعتبار سے اسلام میں ایک اعلیٰ ترین مقام رکھتی ہے۔ صحیح حدیث کے مطابق شہید کے خون کا قطرہ بعد میں گرتا ہے جبکہ اس کے تمام گناہ پہلے مٹا دیے جاتے ہیں۔ پھر اسی شہید کے متعلق آپ ﷺ کے ایک ارشاد میں دوسرا پہلو یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بروزِ قیامت شہید سے بازپرُس ہو گی کہ تُو نے میرے لیے کیا کیا؟ وہ کہے گا تیرے لیے اپنی جان کا نذرانہ دیا۔ جواب آئے گا: ابنِ آدم! تُو جھوٹ بولتا ہے۔ تُو نے اس لیے جان دی کہ لوگ تیری مدح سرائی کریں۔ وہ تم نے کروالی اب میرے پاس تیرے لیے کچھ نہیں۔ بعد ازاں اُسے دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔
شہادت بے شک بیسیوں فضائل سے لبریز ایک اعلیٰ ترین نیک عمل ہے، مگر جب اس نیکی میں خلوص کی بجائے ریاکاری شامل ہوئی تو یہ نہ صرف بے نتیجہ رہا بلکہ شہید کیلیے وبالِ جان بھی بن گیا۔ عالم دین کے بارے میں بھی شہید کی طرح تفصیل موجود ہے۔

کی ادائیگی پہ انتہائی زور دیا گیا وہ نماز ہی ہے۔ الغرض نماز کی اہمیت و فضیلت ہر پہلو سے عیاں ہے۔ مگر اس عظیم ترین عبادت کا اگر دوسرا رُخ دیکھا جائے تو قرآن پاک (سورۃ الماعون) میں یہی نیکی کرنے والوں کو تساہل اور ریاکاری کی بنا پر ہلاکت کی وعید

بلکہ شہید کیلیے وبالِ جان بھی بن گیا۔ عالم دین کے بارے میں بھی شہید کی طرح تفصیل موجود ہے۔

قارئین! اب آیئے اصل عنوان کی طرف جس کے لیے سابقہ سطور کی تمہید بندھی۔ کہ نماز، روزے، حج اور شہادت وغیرہ کی طرح صدقہ و خیرات (مثلاً

بھی شک نہیں ہو گا۔ بلکہ بزعم خویش یہ نیکی اُلٹا گلے پڑ جائے گی۔

چنانچہ قرآن مجید بڑے ہی توضیحی انداز سے اِس نیکی نما بدی کو زیرِ بحث لا کر صاحبِ صدقہ کو شرم دلاتا ہے:

”اے ایمان والو! صدقہ لینے والے پر احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر اپنے صدقات ضائع نہ کرو۔“

گویا انسان جس قیمتی متاع کی بطورِ صدقہ قربانی دے کر کسی انسان کو مُستفید کرتا ہے تو ایذا رسانی یا احسان جتانے کے باعث خدا اُس کی اسی قربانی کو مردود کر دیتا ہے۔

ویسے بھی رضائے الٰہی کا حصول اور احسان جتلانا یا ایذا پہنچانا باہم دو متضاد چیزیں ہیں۔بالفاظ دیگر اگر صدقہ دینے والے کے پیشِ نظر رضائے الٰہی ہے تو پھر احسان جتانا کیسا اور ایذا رسانی کیوں!!! اور اگر صدقہ دیکر احسان جتانا یا ایذا پہنچانا مقصود ہے تو پھر رضائے الٰہی کیسی!!!

گویا یہ آگ اور پانی کو ایک مقام پہ جمع کرنا ہے جو کہ درحقیقت ناممکن ہے۔

پس صدقات کے دو اہم ترین متعلقات ہیں:

**ایک اللہ کی ذات** کہ جس کی رضا کیلیے صدقہ دیا جاتا ہے۔

**اور دوسرا صدقہ** لینے والا آدمی۔ سو دونوں کے حوالے سے مذکورہ نیکی میں فکری آلودگی بالکل حائل نہیں ہونی چاہیے۔

یعنی ایسا نہ ہو کہ صدقہ دینے والا لینے والے پر احسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر اس نیکی کو اپنے لیے ثواب کی بجائے عذاب کا باعث بنالے۔کیونکہ اس قباحت سے صدقہ لینے والا زِچ ہو کر سوچتا ہے کہ کاش! یہ صدقہ نہ ہی لیا ہوتا۔

لہٰذا یہ خیال رہے کہ

صدقہ لینے والے کے احساسات کسی صورت میں مجروح نہ ہونے پائیں۔یہی صدقے کی اصل روح اور معراج ہے اور یہی ایک اعلیٰ ظرف متصدق کی اعلی ظرفی ہے۔

یہاں ایک اور قابل فکر بات یہ بھی ہے کہ دینے والا کس وجہ سے لینے والے پہ احسان جتاتا یا اُسے اذیت میں مبتلا کرتا ہے! جب دینا خدا کے لیے اور خدا کے ہی دیے میں سے تو احسان جتانا اور تکلیف پہنچانا تو بالکل نہیں بنتا۔ یہ دولت کیا ہماری ملکیت میں تو کچھ بھی نہیں، بلکہ ہمارا تو اپنا آپ بھی ہمارا نہیں، تو پھر پرائے سرمائے پہ یہ فضول افتخار اور ناداروں سے یہ استحقار جچتا ہے کیا!؟

**قارئین!**

آپ عصرِ حاضر ہی کو دیکھ لیں۔فی زمانہ غرض وغایت کے حصول کے ساتھ خیرات وصدقات ایک کریہہ صورت اختیار کر گئے ہیں۔ یہ دور چونکہ سرمایہ دارانہ ہے اس لیے موجودہ دور کے صدقات بھی سرمایہ دارانہ سے ہو کے رہ گئے ہیں۔

مذکورہ ذہنیت جہاں دنیاوی امور میں اپنی غرض کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی، دینی امور میں بھی یہ یہی گُل کِھلانے پہ آساتی ہے۔کچھ سرمایہ دار صدقہ دیتے ہوے استحقاق سے پہلے اپنا مفاد دیکھتے ہیں۔ جہاں ان کی good will ہو، جہاں ان کی pr بنے، جہاں انہیں سپورٹ ووٹ ملے، وہاں جھٹ سے تجوری کا منہ کھول دیتے ہیں۔ اگر مفاد کی امید نہیں تو استحقاقِ صدقہ جائے بھاڑ میں۔

**المختصر!**

نیکیوں کی قبولیت یا عدمِ قبولیت کا معیار نیکی سر انجام دینے والے شخص کی نیت اور سوچ پر منحصر ہے۔ وہ چاہے تو صدقات کی ادائیگی بغیر کسی دنیاوی غرض کے پورے اخلاص کے ساتھ کرے اور نتیجے میں اُخروی سعادتوں سے بھرپور سرفراز ہو جائے یا پھر احسان جتانے اور ایذا پہنچانے کی بُری لت کے باعث آخرت میں اجر و ثواب کی بجائے خدا کی ناراضی کا سامنا کرے۔

اب یہ تو صاحبِ صدقہ کی نیت، ظرف، شرف اور سوچ کا امتحان ہے! چاہے وہ اِس نیکی کو بارگاہ الٰہی میں قبولیت سے ہمکنار کروالے یا پھر اپنے لیے وبالِ جان بنالے!!!

☆☆☆

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جو اپنے سے اتفاق کرنے والے سے ہی ولاء (محبت اور دوستی) رکھے، اختلاف رکھنے والے سے دشمنی رکھے اور اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں افتراق پیدا کرے، آراء اور اجتہادات کے مسائل میں جو اس کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا اسے کافر اور فاسق قرار دے اپنے مخالف سے، جو کہ اس کی موافقت نہیں کرتا، قتال کو جائز قرار دے، تو ایسے ہی لوگ اہل تفرق اور اہل اختلاف ہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: 3/349)

☆☆☆☆

چنانچہ جو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو یہ درجہ دیتا ہے کہ جو اس سے محبت کرتا اور موافقت رکھتا ہے اس کا شمار اہلسنّت والجماعت میں ہو گا اور جو اس سے اختلاف رکھتا ہے اسے اہل بدعت اور اہل تفرقہ گردانتا ہے۔۔۔تو یہی اہل بدعت وضلال اور اہل تفرق ہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: 3/347)




الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين و أما بعد:

دین اسلام کی طرف منسوب ہونے والے جتنے بھی فرقے موجود ہیں، ان میں سے کوئی فرقہ ایسا نہیں، جو اپنے گھڑے ہوئے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث کا سہارانہ لیتاہو، یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے مسلک و مذہب کو حق ثابت کرنے کے لئے اللہ کے کلام اور فرمان رسول ﷺ کی من مانی تفسیر وتشریح کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان میں اور اہل سنت والجماعت کے درمیان فرق ہو جاتا ہے کیونکہ اہل حدیث کو سلف صالحین بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہی باطل اور گمراہ فرقوں میں سے صوفیاء بھی ہیں، جن کے یہاں قرآن کی ایک ظاہری تفسیر ہے اور ایک باطنی، جو سینہ بسینہ بزرگوں سے ان تک منتقل ہوتی چلی آئی ہے، اسی باطنی تفسیر کا سہارا لے کر وہ اپنے باطل عقائد وخیالات کے لئے دلیل فراہم کرتے اور اپنی گھڑی ہوئی مخصوص اصطلاحات کو ثابت کرتے ہیں، جب کہ رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس طرح کی تفسیر منقول ہی نہیں ہے، اسی طرح انہوں نے قرآن کی معنوی تحریف کر ڈالی، کیونکہ قرآن کی لفظی تحریف ان کے لئے ممکن نہیں، لیکن احادیث رسول ﷺ میں انہوں نے اپنے لئے کھلا ہوا میدان پایا، چنانچہ انہوں نے اپنے باطل افکار و خیالات اور اصطلاحات کو سچ باور کرانے کے لئے صحیح حدیثوں کی معنوی تحریف ہی نہیں کی، بلکہ اپنی طرف سے حدیثیں بھی گھڑی اور بڑی جرأت کے ساتھ انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب بھی کیا۔

صوفیوں کے یہاں مخصوص منصب ہیں جن کے لئے انہوں نے کچھ خاص القاب وضع کئے ہیں، انہی میں سے ایک اہم اصطلاح ’ابدال‘ کی ہے جس کے لئے انہوں نے بہت ساری احادیث گھڑی ہیں لیکن وہ ان کے مزعومہ (گھڑے ہوئے) معانی پر دلالت نہیں کرتیں۔ جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ ابدال سے متعلق احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ان روایات سے زیادہ لفظ کا استعمال کیا ہے، کہ فلاں ابدال میں سے ہے۔“ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ: 520/5)

لیکن صوفیاء کے ابدال کی کہانی کچھ الگ ہی ہے۔

یہ لفظ صوفیاء کے یہاں بہت مشہور ہے، ان کے خیال کے مطابق، علی اختلاف الاقوال 7، 30 یا 40 ابدال ہوتے ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی مرجاتا ہے اس کی جگہ پُر کر دی جاتی ہے۔

**ابدال کے معانی:**

صوفیوں کی اصطلاح میں ابدال وہ اولیاء اللہ ہوتے ہیں جن کی برکت اور فیض سے مومنوں کو روزیاں ملتی، اور دشمن کے خلاف ان کی مدد ہوتی ہے۔

**انہیں ابدال کیوں کہا جاتا ہے؟**

ابدال کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لوگوں نے اس کی چند وجہیں بیان کی ہیں:

1۔ ان سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں، جو یکے بعد دیگرے آتے رہے ہیں۔

2۔ ان سے مراد وہ (40) اولیاء ہیں، جن میں سے کسی کے مرنے کے بعد دوسرے کو اس کے قائم مقام رکھ دیا جاتا ہے (یہی معنی صوفیوں کے یہاں رائج ہے۔) (راقم)

3۔ انہیں ابدال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان ہستیوں نے برائیوں کا بدلہ، اپنے اخلاق و کردار، اور عقائد سے دیا۔ (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ: 11/441، 442)

درج ذیل سطروں میں علامہ البانی رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ والموضوعہ میں، ابدال سے متعلق بکھری ہوئی چند حدیثیں اور ان کا ترجمہ ومفہوم پیش خدمت ہے۔

**حدیث نمبر 1:**

ابو نعیم ابدال سے متعلق ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ

”ہر زمانہ میں میری امت کے اندر 500 (پانچ سو)، امت کے بہترین لوگ ہوں گے، اور 40 ابدال، نہ تو 500 (پانچ سو) میں سے کم ہوں گے، اور نہ 40 ابدال ہی کم ہوں گے، جب بھی ابدال میں سے کوئی مرجاتا ہے، اللہ تعالی 500 (پانچ سو) میں سے ان کی 40 کی تعداد پوری کر دیتا ہے، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ) ہمیں ان کے نیک اعمال کے بارے میں بتائیں، فرمایا: ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں، برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں، اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کے ذریعہ دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں۔“ (حلیۃ الاولیاء: 8/1)

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع (گھڑی ہوئی) قرار دیا ہے، نیز فرمایا کہ ابدال کے سلسلے میں وارد شدہ کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے، تمام کی تمام روایتوں میں علتیں (کمزوریاں) پائی جاتی ہیں، بعض

بعض سے زیادہ ضعیف ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ "ابدال کے اخلاق والی یہ خبر جھوٹی ہے۔" (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:935)

**تبصرہ:**

باعتبار سنداً بھی آپ نے اس موضوع حدیث پر حکم ملاحظ فرمایا لیکن غور کرنے سے اس کے متن پر بھی بہت ساری قابل گرفت باتیں ہیں:

1۔ اس گھڑی ہوئی روایت میں ابدال کے جن محاسن وخوبیوں کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک بھی نہ عقیدہ سے متعلق ہے اور نہ ہی ان کے ایمان کے بارے میں کوئی بات کہی گئی ہے، جب کہ عقیدہ وایمان وہ بنیادی چیزیں ہیں جن پر دین کی بنیاد رکھی گئی ہے، اس کے بعد پھر اعمال کا درجہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے اولیاء اور نیک بندوں کا تذکرہ کیا وہاں ان کے ایمان وعقیدے کے بارے میں بھی بتایا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

"یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں۔" (سورۃ یونس:62-63)

ان آیات میں اولیاء اللہ کی صفات میں سب سے پہلے ایمان کا تذکرہ ہوا، اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

﴿الم ○ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ○الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

"الف لام، اس کتاب (کے اللہ کی طرف سے ہونے) میں کوئی شک نہیں، پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔ جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز کو قائم رکھتے ہیں، اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔" (سورۃ البقرۃ:1-5)

اس آیت میں بھی ایمان اور عقیدے سے ہی متقیوں کی صفات کی ابتدا ہوئی لیکن مذکورہ گھڑی ہوئی روایت میں عقیدے کا ذکر سرے سے غائب ہے، اور یہی حال ان صوفیوں کا بھی ہے کہ انکے مذہب میں عقیدہ وایمان ثانوی درجہ رکھتے ہیں، ظاہری طور پر حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں، جھوٹی معافی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اللہ کے سادہ لوح بندوں کی جیبوں پر ڈاکے ڈال کے ریاکارانہ طور پر ان کی امداد کا چرچا کرتے ہیں، جب کہ ایمان وعقیدے کے میدان میں شرک کے دروازے کھولے ہوئے ہوتے ہیں، اپنی شان میں اللہ کے بندوں سے تعظیم اور ادب واحترام کے نذرانے وصول کرتے ہیں، ان کے درباروں سے اللہ کے بندوں کو، چوکھٹوں اور آستانوں پر سجدہ تعظیمی اور ماتھے ٹیکنے کے اسباق ملتے ہیں، اور اپنی تقدس اور جھوٹی ولایت کا چرچا اس قدر وسیع پیمانہ پر کرواتے ہیں کہ اللہ کے سادہ لوح بندے ان کے عقیدہ وایمان کے بارے میں کچھ دریافت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔

2۔ ان کے یہاں خدمت کی نمائش خوب خوب ہوتی ہے، اور یوں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آکر ان بیچاروں کے ایمان وعقیدے کا سودا کرتے ہیں، وہ بے چارے نہیں جانتے کہ تقدس کے اس پردہ میں بے ایمان سوداگر ہیں۔

**حدیث نمبر2:**

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہم مرتبہ اس امت میں تیس (30) ابدال ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے کو اس کا قائم مقام قرار دے دیتا ہے، یہ منکر روایت ہے۔

**حدیث کا درجہ:**

اس حدیث کے ذکر کے بعد امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ حدیث منکر ہے۔"

علامہ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: "منکر کے ساتھ ساتھ یہ حدیث منقطع بھی ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبد الواحد بن قیس ہے، جو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، حالانکہ اس نے صحابی مذکور کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ (رواہ احمد، (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ 939)

**تبصرہ:**

مقام نبوت ورسالت پر ڈاکے ڈالنا اور انبیاء و رسل علیہم السلام کی قدر و منزلت کو گھٹانا، نیز خود ساختہ اولیاء کی شان میں غلو کرکے انہیں انبیائے کرام علیہم السلام کے مقام ومرتبہ تک پہنچانا اہل تصوف کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے، اور اس طرح عوام الناس سے جھوٹی شہرت کے نذرانے وصول کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خانہ ساز مذہب کی جملہ کتابیں اور لٹریچرز قرآن وحدیث میں موجود انبیاء ورسل علیہم السلام کے قصوں اور معجزات کی بجائے انہی بناوٹی پیروں کے قصے اور کہانیوں سے سیاہ ہوتے ہیں، جن میں ان پیروں کے ساتھ ایسی جھوٹی اور من گھڑت کرامتیں جوڑی جاتی ہیں کہ کسی نبی اور رسول کی بھی اس تک رسائی ناممکن ہوتی ہے، یہاں مثالیں دینے کا موقع نہیں، خود اہل تصوف کی کتابوں میں اس کی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ مذکورہ روایت ہی پر غور کریں کہ

کس طرح سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقام و مرتبہ جیسے ایک دو نہیں بلکہ تیس (30) ابدال تیار رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو پوری کائنات میں ایک ہی خلیل پیدا فرمایا لیکن دنیائے صوفیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسے خلیلوں کی کمی نہیں۔ یہ ہے مقام نبوت و رسالت پر رہزنی اور دھاندلی۔

**حدیث نمبر3:**

اوپر والی روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں اس طرح نقل کیا ہے:

"میری امت میں ہمیشہ 30 ابدال رہیں گے، انہی کے دم سے زمین قائم رہے گی، ان ہی کی برکت سے تمہیں بارش ملے گی، اور دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کی جائے گی۔"

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ حدیث ضعیف ہے اس حدیث کی سند میں دو مجہول راوی ہیں۔" (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:2/340)

**تبصرہ:** اس روایت میں خط کشیدہ الفاظ کو بغور پڑھیں، اور سوچیں کہ کیا مقام ربوبیت پر کھلا ہوا حملہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الفاتحہ:1)

"یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد جو تمام جہانوں کا رب، منتظم، مدبر اور خالق و مالک ہے۔"

لیکن تصوف کی دنیا میں زمین انہی ابدال کے دم سے قائم بتائی جا رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک صفت 'القیوم' یعنی اللہ ہی، آسمان و زمین اور ساری مخلوقات کو قائم رکھنے والا ہے، لیکن یہاں ابدال کو یہ منصب قیومیت دیا جا رہا ہے کہ اولیاء اللہ ہی کے دم سے یہ زمین قائم ہے ورنہ تو اب تک یہ فنا ہو چکی ہوتی۔ (نعوذ باللہ من ذلك)

**حدیث نمبر4:**

شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ جب مصر فتح ہو گیا، تو لوگوں نے اہل شام کو گالیاں دینی شروع کر دیں، سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے برنس سے (ایک قسم کا لباس) سر باہر نکالا اور فرمایا: اے اہل مصر! میں عوف بن مالک ہوں، اہل شام کو برا مت کہو، میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«فِيهِمُ الأَبْدَالُ؛ بِهِمْ تُنْصَرُونَ، وَبِهِمْ تُرْزَقُونَ» (طبرانی)

"اہل شام میں ابدال پائے جاتے ہیں، انہی کی برکت سے تمہاری مدد ہوتی ہے، انہی کے صدقے تمہیں روزی ملتی ہے۔"

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ حدیث سخت ضعیف ہے، اس حدیث کی سند میں ایک راوی شہر بن حوشب سئی الحفظ ہے، اور عمرو بن واقد متروک ہے۔" (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:2/341)

**تبصرہ:** اسی کے صدقے، طفیل، واسطے اور وسیلے ہی سے بنی آدم کو شرک میں مبتلا کیا ہے، آج بھی یہی فکر لوگوں میں رائج ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ انہیں اولیاء سے مدد مانگتے ہیں، مصیبت میں انہیں کو پکارتے ہیں، رزق اور اولاد کی ان سے بھیک مانگتے ہیں، جب کہ صحیح بخاری میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فرزند مصعب کہتے ہیں:

رَأَى سَعْدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلَى مَنْ دُونَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ» (صحیح بخاری: 2896)

"سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ بعض کمزور لوگوں کی دعاؤں کی برکت سے تمہاری مدد ہوتی ہے اور تمہیں روزی ملتی ہے۔"

**حدیث نمبر5:**

ثلاث من كن فيه فهو من الأبدال الذين هم قوام الدنيا وأهلها: الرضاء بالقضاء، و الصبر عن محارم الله والغضب في ذات الله (الدیلمی، مسند الفردوس)

"تین خصلتیں جس کے اندر پائی جائیں وہ ابدال میں سے ہے، جن کی بدولت دنیا اور اہل دنیا قائم ہیں (وہ خصلتیں یہ ہیں) قضاء و قدر پر راضی ہونا، اللہ کی حرام کردہ چیزوں پر صبر کرنا (بچنا) اور اللہ کے لئے ناراض ہوتا۔"

**حدیث کا درجہ:**

یہ حدیث موضوع ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس میں ایک راوی میسرہ بن عبد ربہ، کذاب ہے، اور وہ حدیثیں بھی گھڑتا تھا، اس سند کے دوسرے راوی بھی ضعیف اور متہم ہیں۔" (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:1474)

**حدیث نمبر9:**

علامة أبدال أمتي أنهم لا يلعنون شيئا

(ابن ابی الدنیا: کتاب الاولیاء)

"میری امت کے ابدال کی علامت یہ ہے کہ وہ کبھی بھی کسی چیز پر لعنت نہیں بھیجتے۔"

ابن ابی الدنیا نے اس حدیث کو اپنی کتاب 'کتاب الاولیاء' میں نقل کیا۔

(سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ:1475)

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ حدیث بلا شک و شبہ منکر، بلکہ موضوع ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ موقعوں پر (یہود و نصاریٰ پر) لعنت بھیجی ہے، تو یہ ابدال لوگ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کامل و اکمل ہستیاں ہیں؟"

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:3/667)

**حدیث نمبر8:**

"ان أبدال أمتي لم يد خلو الجنة بالأعمال ، إنما دخلوها برحمة الله، و سخاوة النفس ، وسلامة الصدور ، ورحمة لجميع المسلمين ."

(البیہقی، شعب الایمان)

"میری امت کے ابدال جنت میں اپنے اعمال کی بدولت نہیں داخل ہوں گے، بلکہ اللہ کی رحمت، سخاوت، ودریادلی، سلامت قلوب اور تمام مسلمانوں پر رحم کرنے کے عوض جنت میں داخل ہوں گے۔"

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:1477)

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف جدا کہا ہے۔

**حدیث نمبر 9:**

"لا يَزالُ أرْبَعُونَ رَجُلًا مِن أُمَّتِي قُلُوبُهم عَلى قَلْبِ إبْراهِيمَ عَلَيْهِ السَّلامُ، يَدْفَعُ اللَّهُ بِهِمْ عَنْ أهْلِ الأرْضِ، يُقالُ لَهُمْ: الأبْدالُ. إنَّهم لَنْ يُدْرِكُوها بِصَلاةٍ، ولا بِصَوْمٍ، ولا بِصَدَقَةٍ" . قالُوا: يا رَسُولَ اللَّهِ، فَبِمَ أدْرَكُوها؟ قالَ: "بِالسَّخاءِ والنَّصِيحَةِ لِلْمُسْلِمِينَ"(طبرانی، المعجم الکبیر، ابونعیم، حلیۃ الاولیاء)

"میری امت میں 40 ایسی ہستیاں ہمیشہ موجود رہیں گیا، جن کے دل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مانند ہوں گے، ان کی برکت سے اللہ اہل زمین سے بلائیں دفع کرتا ہے، انہیں ابدال کہا جاتا ہے، یہ مقام ومرتبہ انہوں نے صوم وصلاۃ اور صدقہ وخیرات کی وجہ سے نہیں حاصل کیا، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ)! پھر اس مقام کو انہوں نے کیسے حاصل کیا ہے؟ فرمایا:

"فیاضی نفس اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ذریعہ۔"

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:1478)

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف جدا کہا ہے۔

**تبصرہ:**

مذکورہ دونوں حدیثوں کو پڑھنے اور حالات صوفیاء کا جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان صوفیوں کی تعلیمات میں ارکان ایمان واسلام کا نام ونشان تو نہیں ہوتا، لیکن ان بناوٹی پیروں میں وہ صفات ضرور پائی جاتی ہیں جن سے وہ لوگوں کو اپنے دام فریب میں شکار کر سکیں اور انہیں اپنا مرید بنا سکیں، چنانچہ ان میں سے اکثر کو دیکھیں گے کہ وہ صوم وصلاۃ کی پابندی ایک عام آدمی کی طرح سے بھی نہیں کرتے ہیں، اور نہ ہی مسجد کا رخ کرتے ہیں بلکہ اپنی خانقاہ ہی کو آباد کیے رہتے ہیں اور ان کا تو یہ عقیدہ بھی ہے کہ ریاضت کرتے کرتے، سالک (صوفی) جب فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو اس سے تکالیف شرعیہ (صلاۃ، صوم، زکاۃ اور حج وغیرہ) ساقط ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بہت سے تو اتنے پہنچے ہوئے ہوتے ہیں (بزعم خود) کہ مکہ مدینہ میں صلاۃ ادا کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے مرید میں بھی اپنے اس تارک صلاۃ پیر کی اس کرامت کو لوگوں میں بڑھاوا دیتے ہیں، اور اگر اتفاق سے کسی گستاخ وبے ادب نے پیر صاحب کی صلاۃ کے بارے میں پوچھ لیا تو پھر پیر سے پہلے، مریدان باصفا ہی اسے مجلس شیخ سے نکال باہر کرتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی پیر پائے جاتے ہیں کہ صرف ان کے دست مبارک پر بیعت کر لینے ہی سے ان سے تکالیف شرعیہ ختم ہو جاتی ہیں، پھر صوم وصلاۃ کی بجائے حضرت پیر کی خدمت میں نذرانہ ہی نجات کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے، یہ ہے تصوف کے پیر کی وہ حقیقت جس کے ڈانڈے نصرانیت سے ملتے ہیں، ان کے پاپائے اعظم بھی بڑے بڑے مجرموں کو اسی طرح کے پروانہ بخشش عطا کرتے ہیں۔

**حدیث نمبر 10:**

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"مخلوقات میں 300 کی تعداد میں اللہ کے کچھ خاص بندے ہیں، ان کے دل سیدنا آدم علیہ السلام کے دل کے مانند ہیں، 40 ایسے ہیں، جن کے دل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دل کے مانند ہیں، پانچ کے دل سیدنا جبرائیل علیہ السلام کے مانند ہیں، 3 ایسی ہستیاں ہیں جن کے دل سیدنا میکائیل علیہ السلام کے دل کے مانند ہیں، اور پوری مخلوقات (اولین وآخرین) میں ایک ذات ایسی ہے جس کا دل سیدنا اسرائیل علیہ السلام کے دل کے مانند ہے، پس جب یہ ایک مر جاتا ہے تو تین بڑی ہستیوں میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے، جب ان تین میں سے کوئی مرتا ہے تو پانچ میں سے اس کی جگہ پُر کر دی جاتی ہے، پانچ میں سے کوئی رخصت ہوا تو سات عظیم شخصیتوں میں سے کسی کو اس کا جانشین بنایا جاتا ہے، 7 میں کمی ہوئی تو 40 میں سے کسی کو اس کی ویکنسی (جگہ) دے دی جاتی ہے، 40 میں کوئی مرتا ہے تو 300 میں سے اس کی تعداد مکمل کر دی جاتی ہے، اور اگر ان 300 میں سے کوئی مرا تو عام لوگوں میں سے کسی کو اس کا جانشین ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے، انہیں کے ذریعہ اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، بارش نازل فرماتا اور پودے اگاتا ہے، نیز بلائیں انہیں کے طفیل سے ٹالتا ہے۔

(موضوع ہے، (ابونعیم الاصفہانی: حلیۃ الاولیاء، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: حدیث نمبر:1479)

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"یہ روایت جھوٹی ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔" (حوالہ مذکورہ)

**فائدہ:**

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علامہ جلال الدین سیوطی ؒ، (جو کہ خود صوفیانہ خیال کے حامی ومؤید ہیں: راقم) اپنی کتاب 'الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال' کو ضعیف احادیث اور واہیات خبروں سے بھر رکھا ہے، بعض روایتیں بعض سے زیادہ ضعیف ہیں، یہ عجیب وغریب بات ہے کہ انہوں نے قطب جس کے وجود کا اپنی کتاب کے عنوان میں دعویٰ کیا ہے، اس کے بارے میں ایک حدیث بھی نقل نہیں کر سکے ، نہ ہی اوتاد نجباء کے اثبات میں کوئی مرفوع حدیث پیش کر سکے۔ پھر سیوطی نے یافعی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث میں جس ایک ہستی کے دل کو سیدنا اسرافیل ؑ کے دل کے مانند بتایا گیا ہے، وہی قطب ہے لیکن یہ حدیث جھوٹی ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: 3/671)

**حدیث نمبر11:**

مذکورہ مناصب کی کچھ تفصیل یہ ہے:

خطیب نے ابو بکر ابن ابی شیبہ کے واسطے سے، اس حدیث کا اخراج کیا ہے کہ میں نے کنانی سے سنا ہے کہ "نقباء 300 ہیں، نجباء 70، ابدال 40، اخیار 7 ہیں، قطب 4 ہیں، اور غوث ایک ہے۔" (شریعت وطریقت: ص74، بحوالہ: دلائل السلوک: ص71)

مذکورہ دونوں حدیثوں (10/11) کے بارے میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ؒ کا تبصرہ یہ ہے کہ ان دونوں احادیث کے تقابل سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1۔ اولیاء اللہ کے مناصب کی تعداد 6 ہے، سب سے اعلیٰ منصب غوث کا ہے، جس کا دل سیدنا اسرافیل ؑ کے قلب کی مانند ہے۔

2۔ سب سے نچلا منصب نقیب کا ہے، یہ کل 300 سیٹیں ہیں اور ان کا دل سیدنا آدم ؑ کے قلب کی مانند ہے۔

3۔ باقی 4 مناصب کی نشستوں میں اختلاف ہے اور اسی طرح اس بات میں بھی کہ ان کے قلب کسی ؑ کے قلب کی مانند ہیں۔

4۔ انبیائے کرام ؑ کے قلوب سے ملائکہ کے قلوب بہت افضل ہوتے ہیں، سب سے کم تر درجہ کا قلب نقیب، یا سیدنا آدم ؑ کا دل ہے، (نعوذ باللہ من تلك الهفوات)

پھر اس کے اوپر سیدنا موسیٰ ؑ پھر اس سے اوپر سیدنا ابراہیم ؑ کا دل ہے، اس کے بعد فرشتوں کی باری آتی ہے، سیدنا ابراہیم ؑ سے اوپر سیدنا جبرئیل ؑ کا دل ہے پھر اس کے اوپر سیدنا میکائیل ؑ کا پھر اس سے اوپر سیدنا اسرافیل ؑ کا دل ہے، جو غوث کے قلب کی مانند ہے۔ (شریعت وطریقت: ص164)

**حدیث نمبر12:**

" الأبدال أربعون رجلا وأربعون امرأة ، كلما مات رجل أبدل الله مكانه رجلا ، وكلما ماتت امرأة أبدل الله مكانها امرأة "

(الخلال نے کرامات الاولیاء میں اور الدیلمی نے اپنی مسند میں اسے روایت کیا ہے)

"ابدال 40 مرد اور 40 عورتیں ہیں، مردوں میں سے کوئی مر جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے مرد کو اس کی جگہ مقرر کر دیتا ہے، اور عورتوں میں سے کوئی مر جاتی ہے تو اس کی جگہ کسی دوسری عورت کو اللہ مقرر کر دیتا ہے۔" (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: 2499)

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی ؒ نے اس کی سند کو ضعیف مظلم کہا ہے، امام ابن جوزی ؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس کی سند میں بہت سارے مجہول راوی ہیں۔

**حدیث نمبر13:**

اسی حدیث کے دوسرے الفاظ اس طرح ہیں:

"الإبدال أربعون، اثنان وعشرون بالشام، وثمانية عشر بالعراق ، كلما مات واحد منهم أبدل الله مكانه آخر ، فإذا جاء الأمر قبضوا كلهم"

( امام ابن عدی ؒ نے الکامل میں اور امام الدیلمی ؒ نے مسند الفردوس میں نقل کیا ہے)

"ابدال 40 کی تعداد میں ہیں، 22 شام میں ہوتے ہیں اور 18 عراق میں، ان میں سے جب بھی کوئی مرتا ہے تو اللہ اس کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کر دیتا ہے، پس جب قیامت آئے گی تو سب کے سب کی روح قبض کر لی جائے گی۔"

**حدیث کا درجہ:**

علامہ البانی ؒ نے اسے موضوع کہا ہے، اس کی سند میں ایک راوی العلاء ہے، جو حدیث گھڑا کرتا تھا۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: 5/420، 561)

**حدیث نمبر14:**

" الابدال بالشام،هم أربعون رجلا، كلما مات أبدل الله مكانه رجلا، يسقى بهم الغيث، وينتصر بهم على الأعداء ويصرف عن أهل الشام بهم العذاب."(مسند احمد)

"ابدال، شام میں 40 کی تعداد میں ہیں، ان میں سے جب کوئی مر جاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو رکھ دیتا ہے، ان کے ذریعہ بارش سے سیراب کیا جاتا ہے، دشمنوں پر ان کے واسطے سے مدد حاصل کی جاتی ہے، اور انہیں کے صدقے اہل شام سے اللہ عذاب ہٹاتا ہے۔"

**حدیث کا درجہ:** علامہ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (سلسلۃ الاحایث الضعیفۃ: حدیث نمبر 2993)

☆☆☆




## عمدة الاحکام کی کتاب الطہارت: غسل جنابت کے متعلق

### حدیث نمبر:28

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طُرُقِ المَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ، فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ، فَقَالَ: «أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟» ، قَالَ: كُنْتُ جُنُباً، فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ، فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، إِنَّ المُؤْمِنَ لاَ يَنْجُسُ»[رواه البخاري، كتاب الغسل، باب عرق الجنب، وأن المسلم لا ينجس، برقم 283، فهي رقم 285، ومسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على أن المسلم لا ينجس، برقم 371]

### حدیث کا سلیس ترجمہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مدینے کے ایک راستے میں ملے اور یہ جنبی تھے فرمایا کہ میں آپ کے پاس سے چھپ کر کھسک گیا، غسل کیا پھر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ابوہریرہ تم کہاں تھے؟“ عرض کی میں جنبی تھا میں نے ناپسند کیا کہ میں آپ کے پاس ناپاک حالت میں بیٹھوں تو آپ نے فرمایا: ”سبحان اللہ مؤمن پلید نہیں ہوتا۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

### حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: اِنْخَنَسْتُ: میں پیچھے ہٹا، کھسکا، آنکھ بچا کر نکلا۔

2: کُنْتُ جُنُباً: میں جنبی تھا

3: لَا يَنْجُسُ: پلید نہیں ہوتا۔

4: سُبْحَانَ اللهِ: اللہ پاک ہے یہ جملہ تعجب کے وقت بولا جاتا ہے۔ اور یہ بہت فضیلت والا ذکر بھی ہے۔

### حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل واحکام

1۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہاء محبت اور احترام کا ثبوت کہ آپ نے جنبی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا مناسب نہیں سمجھا پہلے غسل کیا اور پھر آکر ملے۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا بھی ذکر کہ وہ کس قدر عظیم لوگ تھے رضی اللہ عنہم۔

2۔ جنابت سے مومن پلید نہیں ہوتا ہے بلکہ جنابت سے مومن کو غسل کا شرعی حکم ہے، حالت جنابت میں جنبی شخص کے سارے اعضاء مثلا ہاتھ پاؤں منہ وغیرہ پاک اور طاہر ہی ہوتے ہیں جنبی کے کسی عضو کا کسی دوسرے شخص یا چیز سے لگنے سے پلید نہیں ہوتی ہے۔

3۔ مومن بذاتہ نجس نہیں ہوتا البتہ اگر کوئی پلید چیز اس کے جسم کو لگ جائے اس کا ازالہ ضروری ہے جنبی ہونے کی صورت میں عبادت کے لئے تو غسل واجب ہے البتہ حالت جنابت میں ملاقات اور کھانے پینے وغیرہ میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔

4۔ جنبی کا جلدی غسل کرنا افضل ہے مگر اس میں تاخیر حرام نہیں ہے بلکہ ضرورت کے تحت غسل کو مؤخر کیا جاسکتا ہے البتہ موخر کرنے کی صورت میں وضو کر کے سونے وغیرہ میں رخصت سنت سے ثابت ہے۔

5۔ اہل علم و فضل اور بزرگوں کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھنا اسلامی اخلاق کا طرۂ امتیاز ہے۔

6۔ اپنے کسی محترم سے کسی وجہ سے عارضی طور پر الگ ہونا پڑے تو اطلاع دے کر کہیں جائے تاکہ اس کے دل میں کوئی رنجش پیدا نہ ہو۔

7۔ تعجب کے وقت کلمہ سبحان اللہ کہنا سنت ہے۔ بلکہ یہ زبان پر ہلکہ مگر بہت فضل و عظمت والا ذکر بھی ہے۔

8۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے یہی وجہ ہے آپ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پوچھا اور ان کی وضاحت پر آپ نے تعجب کیا۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ کہ اولیاء غیب جانتے ہیں درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ سے دور ہوتے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور نہ ان کے بتانے پر تعجب کرتے۔

9۔ عالم و مفتی کا اس شخص کو علم سے روشناس کرانا جس کو مسئلہ کا پتا نہیں جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ جنابت سے انسان اور اس کے اعضا پلید نہیں ہوتے ہیں۔

10۔ علم سکھاتے وقت اعلی اخلاق اختیار کرنا اخلاق نبوی ہے اس میں اساتذہ اور علماء وغیرہ کے لیے بھی بہت اہم سبق ہے۔

### حدیث نمبر:29

عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ

لِلصَّلاۃِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، ثُمَّ يُخَلِّلُ بِيَدَيْهِ شَعْرَهُ، حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ، أَفَاضَ عَلَيْهِ المَاءَ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ، وَكَانَتْ تَقُولُ :

كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِن إِنَاءٍ وَاحِدٍ، نَغْتَرِفُ مِنْهُ جَمِيعاً.

[رواه البخاري، كتاب الغسل، باب تخليل الشعر، حتى إذا ظن أنه قد أروى بشرته أفاض عليه، برقم 272،273 ، ومسلم، كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، برقم 316، ومسلم، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في إناء واحد في حالة واحدة، وغسل أحدهما بفضل الآخر، برقم 321]

**حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ**

سیدہ عائشہ ﷞ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنابت کا غسل کرتے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے۔ پھر نماز کے وضو کی طرح کا وضو کرتے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں میں خلال کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو جاتا کہ آپ نے اپنی جلد کو پانی سے تر کر دیا ہے تو اپنے اوپر تین مرتبہ پانی انڈیلتے پھر اپنا سارا جسم دھوتے اور سیدہ عائشہ ﷞ نے فرمایا: میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے نہاتے ہم اس برتن سے ایک ساتھ چلو بھرتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی**

1: إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ: جب غسل جنابت کا ارادہ کرتے۔

2: يُخَلِّلُ بِيَدَيْهِ شَعْرَهُ: اپنے ہاتھوں سے بالوں میں خلال کرتے۔

3: إِذَا ظَنَّ: غالب رجحان، یقین ہو جاتا۔

4: أَفَاضَ عَلَيْهِ: اپنے اوپر انڈیلتے، بہاتے۔

5: اَرْوٰى بَشْرَتَهُ: اپنی جلد تر کر لی ہے۔ سیراب کر لی ہے۔

6: سَائِرَ جَسَدِهِ: اپنا پورا جسم۔

**حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام**

1۔ غسل جنابت فرض ہے خواہ جنابت کا سبب انزال منی ہو یا خلوت کامل۔

2۔ غسل جنابت میں پہلے ہاتھ دھوئے جائیں، پھر وضو کیا جائے، پھر بالوں میں خلال کیا جائے اور پھر باقی سارے بدن کو دھویا جائے۔

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو مکمل وضو کی جگہ محض کلی اور ناک کو صاف کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

3۔ غسل جنابت میں پورے جسم کے ہر حصہ تک پانی پہنچانا اور اس کو دھونا ضروری ہے۔

4۔ خاوند اور بیوی کا ایک ہی برتن سے اکٹھے غسل کرنا جائز ہے۔

5۔ غسل جنابت کے وقت ابتدا میں وضو کرتے وقت پاؤں کو نہ دھونا بلکہ غسل کے آخر میں دھونا بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

6۔ عربی زبان میں ظن یقین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے۔

7۔ تعلیم کے لیے مسائل کو تفصیل سے بیان کرنا جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔

8۔ اسلام میں صفائی و ستھرائی کی اہمیت۔

☆☆☆

امام ابن سماک رحمہ اللہ نے فرمایا:

’’تمام تر رعنائیوں کے باوجود دنیا کے دن تھوڑے ہیں۔

اور ان میں سے جو دن باقی بچے ہیں وہ بھی تھوڑے ہیں۔

اور ان میں سے تمہارا حصہ تھوڑا ہے۔

اور اس تھوڑے میں سے بھی تھوڑا بچا ہے۔

(سیر أعلام النبلاء)

☆☆☆

**غم کیسے کافور ہوگا**

رسول رحمت ﷺ نے فرمایا:

’’جسے غم گھیر لے اسے چاہئے کہ کثرت سے کہے:

(لاحول ولا قوۃ إلا باللہ)

(السلسلۃ الصحیحۃ:199)

امام ابن رجب رحمہ اللہ نے

(لاحول ولا قوۃ إلا باللہ) کے معانی میں لکھا ہے:

’’جس نے صدق دل سے یہ کلمہ کہا تو وہ ایک حال (حالت) سے دوسرے حال ضرور منتقل ہوگا۔ حالت کی اس تبدیلی پر اللہ کے سوا کون قادر ہے۔‘‘

☆☆☆

**قبر**

امام بشر بن حارث رحمہ اللہ کہتے ہیں:

« نعم المنزل القبر لمن أطاع الله »

’’اللہ کی اطاعت کرنے والے کے لیے قبر بڑی اچھی منزل ہے۔‘‘

(القبور لابن أبي الدنيا:142)




بندہ مختلف شکلوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادات انجام دیتا ہے، جن میں بدنی، مالی اور زبانی عبادات کے ساتھ ساتھ قلبی عبادات بھی داخل ہیں اور ان قلبی عبادات میں محبت اور خوف وخشیت کی طرح رجاء ورغبت یعنی امید رکھنا بھی شامل ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر امید کی روح نہ ہو تو دل اور اعضا کی بندگی ضائع ہو جائے گی اور عبادت گاہیں ڈھادی جائیں گیں جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے، بلکہ اگر امید کی روح نہ ہو تو اعضا اطاعت کے لیے آمادہ نہ ہوں گے۔

مختصراً یہ کہ امید ہر عبادت گزار کے لیے ضروری ہے اور جب کبھی امید ٹوٹے گی اور آس چھوٹے گی تو ہلاک ہوجائے گا یا ہلاکت سے قریب ہو جائے گا کیونکہ وہ یا تو ایسے گناہ میں ملوث رہتا ہے جس کی مغفرت کی امید رہتی ہے، یا کسی عیب سے وابستہ رہتا ہے جس کی اصلاح کی توقع رہتی ہے، یا کوئی عمل صالح کیا ہوتا ہے جس کی قبولیت کی آس لگی رہتی ہے، یا استقامت کے ساتھ رہتا ہے جس سے اللہ کی قربت بندھی رہتی ہے۔ (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، فصل منزلۃ الرجاء، مناقشۃ شیخ الإسلام)

### رجاء ورغبت کا معنیٰ

رجاء (امید) مایوسی کی ضد ہے، جو کسی قریبی یا دیرینہ فائدے کی دلی خواہش کا نام ہے، جو کبھی امید کے لیے تو کبھی کسی شئے کے کنارے کیلئے اور بسا اوقات خوف کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی بندہ اعمال کی قبولیت اور ان سے وابستہ فضیلت کی امید کے ساتھ ساتھ یہ خوف بھی رکھے کہ اعمال کسی غلطی کی وجہ سے رد نہ کردیے جائیں۔ (معجم مقاییس اللغۃ، کتاب الراء، رجي، والتعریفات للجرجاني، باب الراء؛ النہایۃ في غریب الحدیث والأثر، حرف الراء، باب الراء مع الجیم، رجا؛ مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، فصل منزلۃ الرجاء، حقیقۃ الرجاء؛ شرح ثلاثۃ الأصول لابن العثیمین، أنواع العبادۃ، النوع الثالث الرجاء، والرجاء لعبد العزیز الداخل، مقال محمل علی موقع ملتقی أہل التفسیر؛ الرجاء لدہی قاطرجي؛ مقال محمل علی موقع صید الفوائد)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رجاء ورغبت درحقیقت ایک ایسا محرک ہے جو قلوب (دلوں) کو محبوب (اللہ پر اور آخرت) کی جانب آگے بڑھاتا ہے، اس کی جانب رجحان ومیلان کو پاکیزہ وخوش نما بناتا ہے اور کبھی رب کریم کے کرم اور رب جواد کی جود وسخا کی وجہ سے بندے کی فرحت ومسرت اور راحت بھی رجاء ورغبت کہلاتی ہے لیکن رجاء ورغبت اور تمنا کے درمیان فرق یہ ہے کہ تمنا میں محنت کے ساتھ سنجیدگی کی بجائے سستی پائی جاتی ہے، جب کہ رجاء ورغبت میں عمل و اطاعت اور حسن توکل و محنت دونوں پائے جاتے ہیں۔ (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، فصل منزلۃ الرجاء؛ حقیقۃ الرجاء، والروح، فصل والفرق بین الرجاء والتمني)

بعض اہل علم نے کہا کہ رجاء ورغبت ایک عبادت ہے، جو عمل اور توبہ کے ساتھ رحمت الٰہیہ کی وسعت سے جڑی رہتی ہے، جس کے لیے اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کی معرفت ضروری ہے۔

### رجاء ورغبت اور خوف وخشیت

امام یحیی بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان تین (باتوں کے مجموعے کا نام) ہے:

خوف، امید اور محبت، خوف کی وجہ سے انسان گناہوں کو چھوڑتا ہے اور جہنم سے نجات پاتا ہے۔

امید کی وجہ سے اطاعت کرتا ہے اور اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے اور محبت کی وجہ سے ناپسندیدہ کاموں سے بچتا ہے اور رضائے الٰہی حاصل کرلیتا ہے۔ (شعب الإیمان، الثاني عشر؛ الرجاء من اللہ تعالی: 1002)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عنوان باندھا اور فرمایا: خوف کے ساتھ امید کا باب۔ (صحیح البخاري، کتاب الرقاق، باب الرجاء مع الخوف)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عنوان باندھا اور فرمایا، اس بات کا بیان کہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے لیے دو سواریاں رکھے، ایک امید اور دوسری خوف۔ (صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الخوف والتقوی، ذکر البیان بأن الواجب)

اسی طرح امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں باب ما جاء في الخوف والرجاء باب باندھا اور امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اِتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ میں باب ما جاء في الخوف والرجاء باب باندھا۔

امام ابن ابی العز رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول بے خوفی اور مایوسی ملت اسلامیہ سے خارج کردیتی ہے اور اہل قبلہ کے لیے حق کا راستہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ ہے کی شرح میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ بندہ ڈرتا رہے اور امید بھی وابستہ رکھے، کیونکہ سچا اور قابل ستائش خوف وہی ہے جو ڈرنے والے کو حرام کاموں سے روکے رکھے اور لائق تحسین امید اسی شخص کی ہے جس نے اللہ کے نور کی روشنی میں فرماں

برداری کی، پھر ثواب کی امید رکھی، یا اس شخص کی ہے جس نے کوئی گناہ کیا، پھر اس سے توبہ کی اور اپنی مغفرت کی امید رکھی لیکن عمل کے بغیر رحمت کی امید لگائے بیٹھنا اور خطاؤں میں حد سے آگے بڑھ جانا تو جھوٹی امید، دھوکا اور محض تمنا ہے۔(شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ما ینبغی علی: الجمع بین الخوف والرجاء، قولہ والأمن والإیاس)

امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خوف کے ساتھ امید قابل تحسین ہے، اسی لیے دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، اگر خوف کو نظر انداز کیا جائے گا تو اللہ کے مکر سے بے خوف ہو جائے گا، اور اگر امید کو پس پشت ڈال دیا جائے گا تو مایوسی کا شکار ہو جائے گا، حالانکہ یہ دونوں شکلیں قابل مذمت ہیں اور امید سے مقصود یہ ہے کہ جس سے کوتاہی ہو وہ اللہ سے اچھا گمان رکھے اور اپنے گناہ کی مغفرت کی امید رکھے، اسی طرح جو اطاعت گزار ہو وہ اپنی نیکی قبول ہونے کی امید رکھے، لیکن جو امید کے سہارے توبہ کے بغیر گناہوں پر اڑا ہو تو ایسا شخص دھوکے میں ہے۔

اور اس ضمن میں ابو عثمان جیزی رحمہ اللہ کی بات بڑی اچھی ہے کہ سعادت مندی کی علامت میں یہ داخل ہے کہ تم اطاعت کرو، لیکن تمہیں ڈر لاحق ہو کہ تمہاری نیکی قبول نہ کی جائے اور بدبختی کی علامت میں یہ داخل ہے کہ بچنے کی امید لیے گناہ کرتے جاؤ۔(فتح الباري، کتاب الرقاق، باب الرجاء مع الخوف)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خوف وخشیت اور رجاء ورغبت کے بغیر عبادت مکمل نہیں ہوتی، کیونکہ خوف ہی کی وجہ سے انسان منع کردہ کاموں سے بچتا ہے اور امید ہی کی وجہ سے اطاعت وفرماں برداری پر آمادہ ہوتا ہے۔(تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ الاسراء:58)

علاوہ ازیں قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر رجاء ورغبت اور خوف وخشیت بیک وقت استعمال ہوئی ہے، مثال کے طور پر:

1۔ عبادت کے بیان کے ساتھ۔(سورۃ الأعراف:56؛ سورۃ السجدہ:16)

2۔ دعا کی قبولیت کے وقت۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الموت:4261)

3۔ اہل ایمان کو عذاب وعقاب سے ڈرانے یا کافر کو رحمت کی آس دلانے کے لیے۔(صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب في سعۃ رحمۃ:7155)

4۔ جنت وجہنم کو انتہائی قریب ترین بتانے کے لیے۔(صحیح البخاري، کتاب الرقاق، باب الجنۃ أقرب:6488)

5۔ بارش کا ذکر کرنے سے پہلے۔(سورۃ الرعد:12؛ سورۃ الروم:24)

## رجاء ورغبت مقدم رہے یا خوف وخشیت غالب رہے؟

امام ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ انسان امید کو مقدم رکھے یا خوف کو غالب رکھے۔

1۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خوف وامید یکساں رہنی چاہیے، ورنہ آدمی بے فکری یا مایوسی کا شکار ہو جائے گا۔

2۔ بعض اہل علم نے کہا کہ فرماں برداری کے وقت امید کے پہلو کو مقدم رکھیں اور نافرمانی کے ارادے کے وقت خوف کو غالب رکھیں۔

3۔ بعض اہل علم نے کہا کہ صحت مندی میں خوف کے پہلو کو غالب رکھیں اور بیماری میں امید کے پہلو کو مقدم رکھیں۔

ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے نزدیک حالات کے اعتبار سے مسئلے کی نوعیت بدلتی رہتی ہے، جب کبھی اللہ کی رحمت سے مایوسی کا ڈر ہو تو رحمت کے پہلو کو مقدم رکھنا ضروری ہوگا اور جب اللہ کے مکر سے بے فکری غالب آ رہی ہو تو ایسی صورت میں خوف کے پہلو کو آگے رکھا جائے گا، دراصل انسان کا دل زندہ ہو تو وہ خود اپنا علاج کرے گا لیکن اگر دل ہی مردہ ہو جائے تو اسے کسی بات کی پروا نہیں رہتی۔(فتاوی أرکان الإسلام لابن العثیمین، فتاوی العقیدۃ، سؤال رقم/22)

## رجاء ورغبت کی فضیلت

اللہ نے قرآن مجید میں ان افراد کی مدح سرائی کی جو اللہ پر سے رجاء ورغبت رکھتے ہیں۔(سورۃ الأحزاب:21؛ سورۃ الممتحنۃ:6)

اس سے ملاقات کی (سورۃ العنکبوت:5؛ سورۃ الکہف:110)

اور اس کی رحمت کی توقع رکھتے ہیں۔(سورۃ الزمر:53؛ سورۃ الاسراء:27،57)

اور ایسی تجارت کی امید بھی رکھتے ہیں جو کبھی خسارے میں نہ ہوگی۔(سورۃ فاطر:30)

نبی ﷺ نے بھی ہدایت کی کہ مرنے سے پہلے اللہ سے حسن ظن رکھا جائے۔(صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب الأمر بحسن:7412)

اسی لیے یزید بن الأسود جب سکرات کے عالم میں تھے تو واثلہ بن الأسقع نے ان سے پوچھا کہ تمہاری کیفیت کیا ہے؟ جواب دیا کہ خوف وامید محسوس کر رہا ہوں، پوچھا کہ ان دونوں میں کون غالب ہے؟ جواب دیا کہ امید، اس پر واثلہ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے فرمایا کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھے گا مجھے ویسا پائے گا۔(شعب الإیمان، الثاني عشر من شعب الإیمان، باب الرجاء من اللہ تعالی:974)

علاوہ ازیں امید کے ساتھ دعائیں کرنی چاہیے کیونکہ آسمان بھر گناہ اور زمین برابر خطائیں بھی معاف ہو سکتی ہیں۔(جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في فضل التوبۃ:3540)

اور اس کے بالمقابل اللہ نے ایسوں کی مذمت وبرائی بیان کی جنہیں اللہ سے ملاقات کی امید ہے نہ اس کا

خوف، (سورۂ یونس:7) اور اس کی رحمت سے مایوس ہونے سے منع کیا۔ (سورۃ الزمر:53) بلکہ مایوسی کو کفر قرار دیا۔ (سورۂ یوسف:87)

کیونکہ اللہ کی رحمت اللہ کے غضب پر غالب آچکی ہے۔ (صحیح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في قول: 3194)

جس کے 99 حصے اسی کے پاس (اپنے خاص بندوں پر رحم کرنے کے لیے محفوظ) ہیں۔ (صحیح البخاري، كتاب الأدب، باب جعل الله الرحمة،:6000)

**اللہ سے مایوسی اور بے رغبتی پر وعید**

اللہ سے رجاء ورغبت پر جہاں بے شمار فضیلتیں بیان کی گئی ہیں وہی اگر کوئی غیر اللہ سے امید رکھے یا اللہ سے امید نہ رکھے تو قرآن مجید میں اس کے لیے مختلف وعیدیں بیان کی گئی ہیں، مثال کے طور پر:

1۔ اللہ انہیں ان کی کرتوتوں کا بدلہ دے گا۔ (سورۃ الجاثیہ:14)

2۔ اللہ انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے رہنے دے گا۔ (سورۂ یونس:11)

3۔ اللہ ان کے اعمال کو برباد کردے گا۔ (سورۃ الفرقان:21-23)

4۔ اللہ انہیں بالکل تباہ وبرباد کردے گا۔ (سورۃ الفرقان:37-40)

5۔ اللہ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا۔ (سورۂ یونس:15)

6۔ اللہ ان کا ٹھکانہ آگ بنائے گا۔ (سورۂ یونس:7-8)

7۔ اللہ انہیں جہنم رسید کردے گا۔ (سورۃ النبا:21-30)

## نعت مصطفیٰ ﷺ

میں چاہتا ہوں، کوئی نعتِ مصطفیٰ لکھوں
چھڑی ہے ذہن وقلم میں کہ کیسے، کیا لکھوں
وہ مصطفیٰ جنہیں محبوب کبریا کہیے
وہ مصطفیٰ جنہیں سردار انبیاء کہیے
وہ مصطفیٰ جنہیں چشم جہاں نما کہیے
وہ مصطفیٰ جنہیں سرچشمۂ عطا کہیے
میں چاہتا ہوں کوئی نعت مصطفیٰ لکھوں
چھڑی ہے ذہن وقلم میں کہ کیسے، کیا لکھوں
وہی کہ جس نے زمانے کو نور بخشا ہے
وہی کہ جس نے کہا لاشریک مولا ہے
بتایا یہ بھی کہ پھر بندگی رب کیا ہے
سکھایا یہ بھی کہ آخر کہاں کو جانا ہے
میں چاہتا ہوں کوئی نعت مصطفیٰ لکھوں
چھڑی ہے ذہن وقلم میں کہ کیسے، کیا لکھوں
وہ کوہِ فاراں جس نے صدائے حق دی ہے
عزیزوں اور قریبوں سے دشمنی لی ہے
وہ شب پرستوں نے جس کی مزاحمت کی ہے
مگر شکست کسی حال میں نہ مانی ہے
میں چاہتا ہُں کوئی نعت مصطفیٰ لکھوں
چھڑی ہے ذہن وقلم میں کہ کیسے، کیا لکھوں
مرے حضور محمد بھی اور احمد بھی
نہیں ہے مدح وستایش کی ان کی کچھ حد بھی

میں چاہتا ہوں کوئی نعت مصطفیٰ لکھوں
چھڑی ہے ذہن وقلم میں کہ کیسے، کیا لکھوں
سلام ان پہ کہ ختم الرسل کہا رب نے
سلام ان پہ بڑا مرتبہ کیا رب نے
سلام ان پہ کہ جو کچھ کہا سنا رب نے
سلام ان پہ شفاعت کا حق دیا رب نے
میں چاہتا ہوں کوئی نعت مصطفیٰ لکھوں
چھڑی ہے ذہن وقلم میں کہ کیسے، کیا لکھوں
ہمارے پاس ابو بکرؓ کی صفا بھی نہیں
جناب حضرت فاروق کی ادا بھی نہیں
وفا وجذبہ عثمان ومرتضیٰ بھی نہیں
حسن حسین سے نسبت کا شائبہ بھی نہیں
میں چاہتا ہوں کوئی نعت مصطفیٰ لکھوں
چھڑی ہے ذہن وقلم میں کہ کیسے، کیا لکھوں
حضور! تابشِ مہدی فقیر ولاغر ہے
قصور اس سے نہ ہو جائے کوئی یہ ڈر ہے
عجیب فکر وتردد کا ایک منظر ہے
قلم نہ آگے بڑھانا ہی آج بہتر ہے
میں چاہتا ہوں کوئی نعت مصطفیٰ لکھوں
چھڑی ہے ذہن وقلم میں کہ کیسے، کیا لکھوں
جہاں میں باعث رحمت ہے ان کی آمد بھی
کہ ہم کلام ہوا ان سے رب امجد بھی

ڈاکٹر تابش مہدی

آپ بیتی

# گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن) ((قسط 10))

**24۔ تذکرہ شاہ خالد اور شاہ فیصل کا**

10 جون 1981ء کو سعودی سفارت خانے کی طرف سے شاہ خالد کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ یوں تو مجھے کسی شاہی دربار کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا، لیکن شاہان آل سعود کو قریب سے دیکھنے کا موقع ضرور ملا ہے۔

لندن کی اس تقریب میں تمام مدعوین ایک قطار کی شکل میں شاہ خالد کے سامنے گزرتے گئے اور ان سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھتے گئے۔ زیادہ تر مدعوین انگریز اشرافیہ تھی، لیکن مسلم کمیونٹی کے عمائدین کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور یوں مجھے بھی اس تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ کے قیام کے دوران شاہ فیصل ملک کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہونے کے بعد ایک دفعہ جامعہ تشریف لائے تھے۔ جامعہ کی سادہ سی عمارت کے ایک سادہ سے ہال میں ان کے اعزاز میں تقریب کا انعقاد ہوا تھا، جس میں شیخ عبد العزیز بن باز انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر لیں، انہوں نے اپنے جوابی خطاب میں کہا کہ میں خادم الحرمین الشریفین پر اکتفا کرنے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

اس دن مدینے کے گلی کوچے اس عربی ترانے سے گونج رہے تھے:

فَيْصَلْنَا يَا فَيْصَلْنَا حيّ اللهُ فَيْصَلْنَا

چند سال قبل رابطہ عالم اسلامی لندن کی ایک تقریب میں شاہ فیصل کے صاحبزادے ترکی الفیصل (اس وقت برطانیہ میں مملکت کے سفیر) کے ساتھ نشست رہی تو میں نے انہیں پورا یہ واقعہ سنایا۔ گویا وہ اپنے والد کے بارے میں یہ حکایت ایک تیسرے شخص سے پہلی مرتبہ سن رہے تھے۔

شاہ فیصل کے بارے میں ہمارے ایک کرم فرما کے ذاتی مشاہدہ پر مشتمل ایک اور حکایت پیش خدمت ہے:

ڈاکٹر حسن الشافعی مصر کے ایک نمایاں ازہری عالم ہیں۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے 10 سال تک صدر بھی رہے ہیں۔ وہ اپنی کتاب (حیاتی فی حکایاتی) میں لکھتے ہیں:

1971ء کے حج میں وہ مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ یہ 8/ذی الحجہ کی صبح تھی جب کہ حجاج کے قافلے منیٰ کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر حسن الشافعی کہتے ہیں:

یہ ایک روشن صبح تھی۔ ہم سعی سے متصل حرم کے اس حصے میں تھے، جہاں کعبہ مشرفہ ہماری آنکھوں کے سامنے تھے۔ زمزم کا کنواں بالکل ہمارے قریب تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ احرام کی چادروں میں ملبوس ایک طویل القامت شخص، جس کا چہرہ روشن، بدن نحیف، داڑھی خشخشی، آگے آگے قدم بڑھا رہا تھا۔ اس کے پیچھے اس کے ساتھیوں کا جھرمٹ چلا آ رہا تھا۔ غور سے دیکھا تو وہ شاہ فیصل بن عبد العزیز تھے، میرے ارد گرد بیٹھے لوگ یکدم اٹھ کر اسے تالیاں بجا بجا کر خوش آمدید کہنے لگے۔

اس کے آگے بڑھتے قدم کعبہ کے قریب پہنچ کر انتہائی وقار کے ساتھ تھم گئے اور ساتھ ہی ان کے ساتھی بھی! ان کے باڈی گارڈ چند میٹر کے فاصلے پر کھڑے نظر آئے۔

یہ باوقار شخص حاجیوں کے اس گروہ کی طرف متوجہ ہوا جو شاہ فیصل کے لیے تالیاں بجا رہے تھے اور پھر وہ بلند آواز سے مخاطب ہوا:

یہ جائز نہیں۔ یہ جائز نہیں!

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً﴾

”اُن (اہل جاہلیت) کی بیت اللہ کے نزدیک مکاء اور تصدیہ سے عبارت تھی۔“(سورۃ الانفال:35)

پھر کہا: مُکاء سیٹی بجانا ہے اور تصدیہ تالی بجانا ہے۔

یہ بات انہوں نے تین دفعہ کہی اور یہ کہہ کر وہ طواف میں مشغول ہو گئے۔

یہ وہ واحد موقع تھا جب میں نے اس عظیم شخصیت کو اتنے قریب سے دیکھا تھا، ان کی یہ حالت بالکل قدرتی تھی کہ جسے پہلے سے ترتیب نہیں دیا گیا تھا اور یہ واقعہ ان کی شہادت سے چار سال پہلے کا ہے۔

**25۔ کچھ جزیرہ نما قرم (Craemea) کے بارے میں**

24 فروری 2022ء سے یوکرین کا نام عالمی سرخیوں کا مرکز بن چکا ہے جب کہ روس نے اس یورپی ملک پر یلغار شروع کر دی تھی۔ یوکرین کی حدود بحر اسود سے ٹکراتی ہیں اور اس سمندر میں یوکرین سے متصل 27 ہزار کلو میٹر مربع پر مشتمل قرم (کرائیمیا) کے نام سے ایک جزیرہ نما بھی ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے تعلق کی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے۔

قرم کے نام سے میری دو یادیں وابستہ ہیں:

مسلم اقلیات کے بارے میں 9-10 اپریل 1980ء میں ایک کانفرنس ہیتھرو (لندن) کے قریب ایک ہوٹل میں منعقد ہوئی تھی جس میں عالم اسلام کی کئی مقتدر شخصیات شریک ہوئی تھیں۔

آج کل یوکرین میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے حوالے سے صرف ایک شخصیت کی تقریر کے بارے میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اسی جزیرے کی ایک خاتون تھیں۔ نام تھا عائشہ سیموار تورا، ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ جنگ عظیم کے دوران روس نے کرائیمیا پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کی ڈیموگرافی تبدیل کرنے کے لیے تاتاری مسلمان باشندوں کو نشانہ ہدف بنایا تھا۔ تین لاکھ مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ مسلح فوجی انہیں زبردستی مال گاڑیوں پر سوار کرادیتے اور پھر انہیں سائبریا اور ازبکستان کی طرف ھنکادیتے۔ مال گاڑی کا یہ سفر تین ہفتوں میں کہیں جا کر مکمل ہوتا تھا اور اس دوران بے شمار افراد بھوک، پیاس اور بیماریوں کی بنا پر موت کا شکار ہوئے۔ ازبکستان پہنچ جانے کے بعد بھی انہیں پناہ گزینوں کے کیمپوں میں شدید حراست کے تحت رکھا گیا۔ انہیں پانچ کیلومیٹر کی حدود سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ پہلے 10 سال کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ایک لاکھ اشخاص تو صرف بھوک کی وجہ سے مارے گئے تھے۔ اگر کوئی شخص وطن واپس جانے یا راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتا تو اسے قید یا موت کا سامنا کرنا پڑتا۔

یہ خاتون بذات خود ایک طویل جدوجہد کے بعد وہاں سے دیارِ مغرب ہجرت کرنے پر قادر ہو سکیں اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہی دنوں ایک مسلمان شخص نے ہجرت سے روکے جانے پر خودسوزی کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا تھا۔

اور اپنی دوسری یاد سے قبل جزیرہ نمائے قرم کا کچھ تعارف کراتا چلوں۔ تیرھویں صدی میں منگولیا، جیسے دور افتادہ علاقہ سے چنگیز خان ایک آندھی کی طرح اٹھا۔ اس کا رخ مغرب کی طرف تھا اور پھر وہ اور اس کے بیٹے چین، ترکستان، بخارا و سمرقند کو روندتے ہوئے بحر قزوین اور بحر اسود کے درمیان قوقاز کے پہاڑی علاقوں تک جا پہنچے۔

اس کے ایک پوتے ہلاکو خان نے 1258ء میں بغداد کو تخت وتاراج کیا اور سلطنت عباسیہ کی شان وشوکت کو خاک میں ملا دیا۔ چنگیز خان کے ایک دوسرے بیٹے جوجی خان کا بیٹا برکہ خان اپنی فتوحات کے درمیان سمرقند سے گزرتا ہے، وہاں شیخ نجم الدین مختار الزاہدی سے ملاقات ہوئی ہے اور مذہب اسلام سے تعارف حاصل ہوتا ہے۔ برکہ خان نے شیخ سے گزارش کی کہ وہ اس کے لیے محاسن اسلام کے بارے میں ایک کتاب تالیف کر دے۔ یہ کتاب 'الرسالۃ الناصریۃ فی النبوۃ والمعجزات' کے نام سے منصہ شہود پر آئی جس کے مطالعہ کے بعد برکہ خان نے 1250ء میں اسلام قبول کر لیا اور جب اس کے عم زاد نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجاد دی تو برکہ خان نے ممالک مصر کے سلطان سیف الدین قطز اور اس کے کمانڈر الظاہر بیبرس کے ساتھ بھرپور عسکری تعاون کیا اور یوں 1258ء میں عین جالوت (فلسطین) کے مقام پر تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے قدم عبرتناک شکست کے بعد واپسی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور پھر دو سال کے بعد برکہ خان نے ہلاکو کو ایک اور بدترین شکست سے دوچار کیا۔

اور بقول اقبال

عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

برکہ خان کی سلطنت جسے اس کے بھائی باتو خان نے قائم کیا تھا، سنہری قبیلے (Golden Hord) کے نام سے پہچانی جاتی ہے جس کا قیام 1242ء میں عمل میں آیا اور اگلے 260 سال تک بحر قزوین سے لے کر یوکرین کے علاقوں تک ان کی حکومت ایک وسیع وعریض علاقے پر قائم رہی۔

باتو خان اور برکہ خان نے دریائے وولگا کے کنارے پر ایک شہر کی بنیاد بھی رکھی جسے پہلے سرائے برکہ اور اب Sartov کہا جاتا ہے۔ یہ شہر سنہری قبیلے کا دار السلطنت تھا اور اپنی وسعت، خوبصورتی، مساجد اور خانقاہوں کی وجہ سے ایک زمانہ میں خوب شہرت رکھتا تھا۔

برکہ خان کے اخلاف میں سے اوزبک خان نے اسلام کو اپنی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ 1378ء میں اس نے روسی امارات کو بھی شکست سے دوچار کیا اور وہ سلطنت اسلامیہ کو جزیہ دینے پر مجبور ہوئے۔

جزیرہ نمائے قرم میں اوزبک خاں کی تعمیر کردہ مسجد اس جزیرے میں اسلام کی قدامت کی گواہ ہے۔

1478ء میں قرم خلافت عثمانیہ میں داخل ہو چکا تھا۔

1502 میں سنہری قبیلے کی سلطنت مائل بہ زوال تھی اور اس کے کئی علاقے بشمول قرم، قازان، استراخان چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو چکے تھے جنہیں خانیٹ (Khanet) کا نام دیا گیا۔

اٹھارہویں صدی میں روسی امارات ایک متحدہ اکائی کی شکل اختیار کرتے ہوئے اپنے اقتدار کو مستحکم کر رہی تھیں اور پھر 1783ء میں روس کے شاہی خاندان کی حکمران ملکہ کیتھرائن نے جزیرہ قرم پر اپنی بالادستی مسلط کر دی تھی۔ اس وقت قرم کی 80 فیصد آبادی مسلمان تھی جنہیں زبردستی عیسائی بنانے کی تحریک عمل میں لائی گئی اور جس کے نتیجے میں کوئی ساڑھے تین لاکھ مسلمان تہ تیغ کر دیے گئے۔

قرم کی تاریخ میں اکتوبر 1853ء سے فروری 1856ء تک ایک طویل جنگ کا آغاز ہوا، جس میں روس کے بالمقابل برطانیہ، فرانس اور عثمانی سلطنت کی متحدہ افواج تھیں۔ اس جنگ کا محرک ایک مذہبی جذبہ تھا کہ روس، فلسطین، آرمینیہ، قرم اور دیگر علاقوں میں آرتھوڈاکس چرچ کی حفاظت چاہتا تھا اور برطانیہ، فرانس کیتھولک چرچ کی حفاظت چاہتے تھے

اور روس کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سامنے بند باندھنے کے لیے سلطنت عثمانیہ کا ساتھ دینے پر مجبور تھے۔ روس کا شاہ نکولس، فرانس کا نپولین اور سلطنت برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ اس جنگ کے مرکزی کردار تھے۔

گو یہ جنگ کئی محاذوں پر لڑی گئی لیکن مرکزی محاذ قرم ہی کی سر زمین تھی، اکتوبر 1854ء میں یہیں معرکہ Balacalva برپا ہوا، جو انگریزی تاریخ میں ایک تاریخی معرکہ گنا جاتا ہے اور جسے الفرڈ لارڈ ٹینی سن کی مشہور زمانہ نظم CHARGE OF THE LIGHT BRIGADE کی بنا پر لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ اس محاذ پر ہلکی توپوں سے مسلح 700 افراد کا ایک دستہ متعین تھا جس کے قائد کو مرکزی کمانڈ کی طرف سے ایک تحریری حکم موصول ہوا۔ یہ ایک مبہم عبارت تھی جس میں اس دستے کو ایک مختصر روسی فوج پر حملہ کرنے کی ہدایت دی گئی تھی لیکن عبارت میں ابہام کی وجہ سے یہ دستہ ایک بھاری توپوں سے لیس روسی فوج سے ٹکرا گیا۔

انگریزی دستے نے بڑی بہادری سے ان توپوں کا مقابلہ کیا پھر بھی اس مختصر دستے کے 278 سپاہی کھیت رہے۔

یہ نظم 6 قطعات (STANZA) پر مشتمل ہے اور اس کے چند بول میری یاد کا اس طرح حصہ بنے کہ پنجاب بورڈ (پاکستان) کے میٹرک کے نصاب میں انگریزی منظومات کا جو مجموعہ شامل تھا۔ اس میں یہ نظم بھی شامل تھی۔ یہ 1957ء کی بات ہے، اس کے یہ دو قطعات میری یاد کی گرفت سے کبھی باہر نہ نکل سکے۔

**II**

"Forward, the Light Brigade!
Was there a man dismayed?
Not though the soldier knew
someone had blundered.
Theirs not to make reply,
Theirs not to reason why,
Theirs but to do and die.
Into the valley of Death
Rode the six hundred

**III**

Cannon to right of them,
Cannon to left of them,
Cannon in front of them
Volleyed and Thundered.
Stromed at with shot and shell,
Boldly they rode and well,
Into the Jaws of Death,
Into the mouth of hell
Rode the six hundred.

اس وقت مجھے یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ کونسی جنگ تھی اور کہاں لڑی گئی تھی لیکن یوکرین کی نسبت سے جب قرم کے حالات نظر سے گزرے تو اس حقیقت کا انکشاف ہوا۔

1917ء کے کمیونسٹ انقلاب میں یوکرین سمیت یہ سارا علاقہ نئی مستبدانہ حکومت کی نذر ہو گیا اور پھر 1944ء میں اسٹالن کے حکم سے قرم کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اسٹالن کی طرف سے الزام لگایا کہ دوسری جنگ عظیم میں قرم کے مسلمانوں نے ہٹلر کے ساتھ سازباز کر رکھی تھی۔ اس لیے بطور سزا قرم سے ان کا جبری انخلاء کرایا گیا جس کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے، روس نے یہاں اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لیے اس بدنام زمانہ اصول پر عمل کیا کہ جہاں اپنا تسلط جمانا ہو وہاں کی ڈیموگرافی تبدیل کر دو، چنانچہ قرم کی اصل آبادی کو دربدر کرنے کے بعد ان کی جگہ روسیوں کو آباد کرنے کی مہم شروع کر دی گئی اور جب 1991ء میں سوویت یونین کا شیرازہ بکھرا، تو اہل قرم کو واپس آنے کی اجازت دی گئی۔

کوئی 1 لاکھ 30 ہزار مسلمان واپس آنے میں کامیاب ہو سکے۔ پھر جب وہ واپس پہنچے تو وہ اپنے ہی وطن میں اجنبی حیثیت اختیار کر چکے تھے، نہ ان کا گھر، گھر رہا اور نہ ان کی زمینیں انہیں واپس مل سکیں۔ کہاں وہ ایک زمانے میں ساری آبادی کا 80 فیصد تھے اور اب ان کی تعداد 12 فیصد تک گھٹ کر رہ گئی۔ اور یہی کوئی ڈھائی تین لاکھ کی آبادی!!

1984ء میں روس کے صدر نکتیا خروشیف نے بڑے ڈرامائی انداز میں قرم کو یوکرین کے حوالے کر دیا تھا لیکن نصف صدی کے بعد ان کی یہ خوشی پھر ایک دفعہ ان کا ساتھ چھوڑ گئی۔

16 مارچ 2014ء میں روس نے دوبارہ قرم پر اپنا قبضہ جمایا۔ بچے کھچے مسلمانوں پر دوبارہ افتاد نازل ہوئی۔ اب تک ان میں سے 10 فیصد یوکرین کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور باقی حالات سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کے تحفظ کی امین مسلم کونسل تحلیل کر دی گئی ہے۔ اپنی مادری زبان پڑھنے پڑھانے پر پابندی عائد کی جا چکی ہے۔

یوکرین میں نسبتاً مسلمانوں کی حالت بہتر ہے۔

2012ء کی مردم شماری کے مطابق وہاں مسلمانوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی گئی تھی، یقیناً اس میں اب تک معتد بہ اضافہ ہو چکا ہو گا۔

ملک میں تقریباً 160 مساجد ہیں۔ دار السلطنت 'کیف' میں کوئی ایک لاکھ کے قریب مسلمان ہیں جن کا تعلق تاری مسلمانوں کے علاوہ ازبکستان، آذربائیجان اور قازقستان سے بھی ہے۔ موجودہ صدر 'زیلنسکی' اصلاً اور نسلاً یہودی ہیں اور اپنی فتوحات کو دیکھتے ہوئے یوکرین کو گریٹر اسرائیل کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

خدا کرے کہ ان کا یہ خواب پورا ہو تا کہ فلسطین پر فلسطینی مسلمانوں کی حکومت قائم ہو سکے۔

وَلِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ

☆☆☆




اس سورت میں 7 آیات، 27 کلمے، 140 حروف ہیں۔ کوئی آیت مبارکہ ناسخ یا منسوخ نہیں۔ تفاسیر کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورہ فاتحہ ایک عظیم سورۃ ہے۔

ہر صاحب ایمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی سیدنا محمد ﷺ پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم جیسی بابرکت کتاب نازل فرمایا اور اس کتاب کا ایک حصہ مکی دور میں نازل ہوا اور اس کا بقیہ حصہ مدینہ شریف میں نازل ہوا۔ اس طرح پورا قرآن حکیم مکی ومدنی حیات مبارکہ میں مکمل ہو چکا۔ سورہ فاتحہ کا نزول مکہ میں ہوا۔ یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے نبوت کے ابتدائی زمانے کی سورت ہے۔ روایات کے ذریعہ سے ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی سورت جو مکمل طور پر پر نازل ہوئی ہے وہ "سورہ فاتحہ" ہے کیوں کہ اس سے قبل جو آیات مبارکہ نازل ہوئی تھیں جو کہ سورہ علق، سورہ مزمل اور سورہ مدثر میں شامل ہے وہ متفرق آیات شمار کی جاتی ہیں۔ اب ہم سورہ فاتحہ کی اصل حقیقت کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آخر وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی بدولت قرآن حکیم میں فہرست کے مطابق صفحہ اول پر رکھا گیا ہے اور اس میں کونسا مضمون آیا ہے جو کہ اُمت محمد یہ ﷺ کی دنیاوی و اُخروی نجات کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔

مفسرین کرام اس سلسلہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ "دراصل یہ سورہ ایک دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر اُس انسان کو سکھائی ہے جو اس کی کتاب کا مطالعہ شروع کر رہا ہو۔ کتاب کی ابتدا میں اس کو رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم واقعی اس کتاب سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو خداوند عالم سے یہ دعا کرو۔ انسان فطرتاً دعا اسی چیز کی کیا کرتا ہے جس کی طلب وخواہش اس کے دل میں ہوتی ہے اور اسی صورت میں کرتا ہے جبکہ اسے یہ احساس ہو کہ اس کی مطلوب چیز اس ہستی کے اختیار میں ہے جس سے وہ دعا کر رہا ہے۔ پس قرآن کی ابتدا میں اس دعا کی تعلیم دے کر گویا انسان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اس کتاب کو راہِ راست کی جستجو کے لئے پڑھے، طالب حق کی جیسی ذہنیت لے کر پڑھے اور یہ جان لے کہ علم کا سرچشمہ خداوند عالم ہے۔ اس لئے اسی سے رہنمائی کی درخواست کر کے پڑھنے کا آغاز کرے۔

اس مضمون کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن اور سورہ فاتحہ کے درمیان حقیقی تعلق کتاب اور اس کے مقدمہ کا سا نہیں بلکہ دعا اور جواب دعا کا سا ہے۔

سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے بندے کی جانب سے اور قرآن اسی کا جواب ہے خدا کی جانب سے بندہ دعا کرتا ہے۔ اے پروردگار! میری رہنمائی کر۔ جواب میں پروردگار پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ ہدایت ورہنمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی ہے۔ (تفہیم القرآن)

سورۂ فاتحہ الٰہی تعلیمات کا لب لباب ہے اور بندہ عاجز و محتاج کی ایک درخواست بھی، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سکھائی ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہی جائے، مالک یوم الدین سے نجات ومغفرت کی دعا کی جائے۔ ان بندوں کی اتباع وتقلید کی توفیق مانگی جائے جن پر اللہ تعالیٰ نے نعمت خاصہ کی نوازش فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام یہ ہیں:

دین وایمان پر استقامت، قرآنی بصیرت، ایمانی جرأت وفراست۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی والہانہ اطاعت و فرماں برداری، اہل حق سے محبت، حق کے مخالفین سے عداوت، نیکیوں سے رغبت، بُرائیوں سے نفرت اور حق پر قائم رہنے اور دین حق برپا کرنے کیلئے دنیا کا ہر نقصان گوارا کرنے کی ہمت، دنیا میں نیکیوں کی اشاعت اور بُرائیوں کو مٹانے کا عزم وحوصلہ، مصیبتوں میں صبر ورضا نعمتوں میں شکر واطاعت، کاروبار میں توکل، گناہوں پہ توبہ، حرکت وسکون میں اللہ تعالیٰ ہی کے فضل ورحمت پر نظر۔ دل و دماغ علم الٰہی کے نور سے منور، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی والہانہ طلب و حرص۔ (مطالب قرآن حکیم)

احادیث نبی ﷺ میں سورہ الفاتحہ کے مختلف نام آئے ہیں۔ اگر ان ناموں پر غور کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا قرآن حکیم کی ساری تعلیمات اور اس کے مطالب کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چند ناموں کا ذکر کرنا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے:

**1۔ فاتحۃ الکتاب:** جس کے صاف طور پر یہ معنی ہوتے ہیں۔ "دیباچہ قرآن" اسی طرح اس کے لئے "اُم الکتاب" و "اُم القرآن" کے نام بھی آتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا افتخار احمد قادری مصباحی اپنی

تصنیف "فضائل قرآن" میں صفحہ 142 پر یوں تحریر فرمایا ہے:

"ان دونوں کے مختلف اسباب ہیں:

1۔ ام شئ: اصل شئ کو کہتے ہیں اور پورے قرآن سے چار باتوں کو صاف کرنا مقصود ہے۔ الٰہیات کے مسائل معاد کی تعلیم و تصور، نبوت کے احکام و مسائل اور قضاو قدر کا ثبوت۔

ارشاد الٰہی:

اَلْحَمْدُ لله رَبِّ الْعَالَمِيْنَ - اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"الٰہیات کا پتہ دیتا ہے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔" سے دوبارہ جینے (جی اُٹھنے) کا پتہ چلتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی قضاء قدر سے ہوتا ہے اور اِهدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ - صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔سے قضا اور قدر الٰہی کا سراغ ملتا ہے اور نبوت کا بھی اور قرآن کے سب سے عظیم مقصد یہی چار ہیں اور اس سورہ کے اندر یہ چاروں ہی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس کا نام "اُم القرآن" اصل قرآن اور "اُم الکتاب" اصل کتاب ہوا۔

2۔ آسمانی تمام کتابوں کا نچوڑ تین اُمور ہیں:

1۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء

2۔ خدمت و اطاعت میں مصروف ہونا

3۔ مکاشفات اور مشاہدات کی طلب و درخواست۔

3۔ اس سورۃ کے اُم القرآن و اُم الکتاب ہونے کا تیسرا سبب یہ ہے کہ تمام علوم کا مقصد وقار ربوبیت اور ذلت عبودیت کی شناخت و آشنائی ہے۔

4۔ اُم القرآن نام ہونے کا چوتھا سبب یہ ہے کہ ایک معنی لشکر، کے جھنڈے کے ہیں۔ قیس بن حطیم عربی شاعر کہتا ہے:

نَعَبْنَا أُمَّنَا حَتّٰى ابذَ عَدُّوْا

"ہم نے اپنا جھنڈا گاڑ دیا یہاں تک کہ وہ دشمن بکھر گئے۔"

سورۂ فاتحہ کا نام اُم القرآن اس لئے ہوا کہ یہ سورہ اہل ایمان کی پناہ گاہ ہے جیسا کہ جھنڈا لشکر کی پناہ گاہ ہوا کرتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی جو تاثیر ہے اس کا اندازہ رسالت مآب ﷺ کی ایک حدیث (قدسی) سے ہوتا ہے جو صحیح مسلم میں ہے، ترجمہ پیش ہے:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس کا نصف حصہ میرے لئے ہے اور نصف میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندہ کو وہ بخشا گیا جو اس نے مانگا۔ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میرے بندہ نے میرا شکریہ ادا کیا اور جب وہ الرحمن الرحیم کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی اور جب بندہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یہ حصہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے میں نے اپنے بندے کو وہ بخشا جو اس نے مانگا۔

پھر جب بندہ اِهدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ- صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

یہ میرے بندے کیلئے ہے اور میں نے اپنے بندے کو وہ بخشا جو اس نے مانگا۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نماز اور سورہ فاتحہ کے متعلق یہ بات آئی ہے کہ

لَا صَلَاةَ لِـمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

"اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔"

اہل ایمان بندوں کی سب سے بڑی عبادت "نماز" ہے جو کہ بندگی رب کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ جس کے بغیر مسلمانیت میں بہت بڑا خلا واقع ہو جاتا ہے۔ جس میں سورہ فاتحہ کو لازم کر دینا، سورہ فاتحہ کی عظمت پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے۔ (یہ اس طویل روایت کا آخری حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے جو سورہ فاتحہ سے متعلق ہے) حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں پسند نہیں کہ تمہیں ایک ایسی بات بتاؤں جس کی طرح نہ تورات میں نازل ہوئی، نہ انجیل میں، نہ زبور اور فرقان میں، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم نماز کیسے پڑھتے ہو؟ اُنھوں نے سورہ فاتحہ پڑھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان میں اس جیسی کوئی سورۃ نازل نہیں فرمائی۔ اس میں مثانی کی سات آیتیں ہیں اور یہ سورہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دی گئی۔" (جامع ترمذی: 2/111)

سورہ فاتحہ کی حقیقت اور اس کی عظمت اور اس کی تاثیر و فضائل، مختلف تفاسیر اور نبی کریم ﷺ کی احادیث سے ہم کو معلوم ہوئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ

ہمیں پورے قرآن حکیم پر غور کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات گرامی پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

☆☆☆




"حجاب" در اصل حیا ہے اور حیا اسلام کا بنیادی وصف ہے، حیا کا تعلق براہ راست ایمان سے ہے اور ایمان وحیا لازم وملزوم ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّوْنَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ»

"ایمان کی ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں اور حیاء بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔" (صحیح بخاری:9)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ إِلَّا بِخَيْرٍ» (صحیح بخاری:6117)

"حیاء سے ہمیشہ بھلائی پیدا ہوتی ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْئٍ إِلَّا شَانَهُ، وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْئٍ إِلَّا زَانَهُ» (جامع ترمذی:1974 )

قیمتی چیز سے تشبیہ دی ہے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے:

"ام المؤمنین سیدہ صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ حج کیا، ابھی راستے میں تھے کہ ایک آدمی اترا اور ان کی سواری کو تیزی سے چلانے لگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا

«كَذَالِكَ سَوْقُكَ بِالْقَوَارِيْرِ»

"تم شیشوں (عورتوں) کو اس طرح چلاؤ گے ؟(تو شیشے ٹوٹ جائیں گے۔)" (السلسلۃ الصحیحۃ:143)

پردہ سے متعلق تین الفاظ کا تذکرہ قرآن مجید نے کیا ہے، حجاب، جلباب، خمور، ان تینوں الفاظ میں بڑی معنویت ہے "حجاب" کا لفظ عربی زبان میں مستعمل ہوا اور قرآن مجید کے چھ مقامات پر اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَ إِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوْهُنَّ مِنْ

مستعمل ہے جس کا معنی ہے" ایک لمبا ڈھیلا ڈھالا لباس جو بہت سی مسلمان عورتیں پردہ یا حجاب کے لئے گھر سے باہر نکلتے ہوئے پہنتی ہیں، یہ برقعہ سے کافی ملتا جلتا ہے اور اس لباس کو عام طور پر عرب ممالک میں "جلباب" کہا جاتا ہے اور اسے "جبہ" بھی کہا جاتا ہے۔

جدید جلباب چہرہ، سر، اور ہاتھوں کے علاوہ تمام جسم کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں ڈھانپ دینا ہے، سر اور گردن کو ایک علحدہ کپڑے کے ٹکڑے سے جسے "خمار" کہتے ہیں ڈھکا جاتا ہے، بعض خواتین نقاب سے چہرہ اور ہاتھ بھی ڈھانپ لیتی ہیں، لغت میں اس کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ

" پورے جسم کو ڈھانپنے والا لباس، اوڑھنی، ڈپٹا، کپڑوں کے اوپر پہنا جانے والا لباس، چوغہ، چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے۔"

جدید جلباب چہرہ، سر، اور ہاتھوں کے علاوہ تمام جسم کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں ڈھانپ دینا ہے، سر اور گردن کو ایک علحدہ کپڑے کے ٹکڑے سے جسے "خمار" کہتے ہیں ڈھکا جاتا ہے، بعض خواتین نقاب سے چہرہ اور ہاتھ بھی ڈھانپ لیتی ہیں، لغت میں اس کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ
"پورے جسم کو ڈھانپنے والا لباس، اوڑھنی، ڈپٹا، کپڑوں کے اوپر پہنا جانے والا لباس، چوغہ، چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے۔"

)

"جس چیز میں بھی بے حیائی آتی ہے اسے عیب دار کر دیتی ہے اور جس چیز میں حیاء آتی ہے اسے زینت بخشتی ہے۔"

حجاب مسلم معاشرہ میں پاکیزگی، فروغ اور حیا وتقدس کا تحفظ فراہم کرتا ہے، حجاب کے احکامات عورت کے لئے تحفے کا درجہ رکھتے ہیں، اسلام نے حقیقت میں عورت کو نگینے اور آبگینے جیسی حساس اور نازک طبع اور

وَّرَآءِ الْحِجَابِ﴾ (سورۃ الاحزاب:53)

" جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔"

جو پردہ اور لباس کے معنی ومفہوم میں ہے، جدید عربی میں اس لفظ کا مطلب مسلمان خواتین کا سکارف ہے یا حجاب جو عورت کا حسن اور بدصورتی دونوں کا چھپا کر تحفظ فراہم کرتا ہے۔

"جلباب" کی جمع "جلابیب" ہے یہ لفظ عربی زبان میں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ﴾ (سورۃ الاحزاب آیت:59)

" اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے چہروں پر نقاب ڈالا کریں۔"

"خمور" یہ خمر کی جمع ہے جس کا معنی ہے، چھپنا، پوشیدہ

ہونا، ڈھانپنا، اسی سے شراب کو بھی خمر کہا گیا ہے کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، اسی سے اوڑھنی کے لئے یہ لفظ "خمار" استعمال ہوا جس کی جمع "خمور" ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾

"اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے" (سورۃ النور:31)

لغت میں اس کا معنی کسی کا ایسی جگہ داخل ہونا جو لوگوں سے چھپائے۔

حجاب سے متعلق افکار انسانی کی مختلف تشریحات وتعریفات اور ان کے مختلف نقطہ نظر سامنے آتے ہیں کچھ اس کے حق میں اور کچھ مخالف ہیں:

1۔ کچھ لوگ حجاب کو روایت سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے ہیں یعنی وہ لوگ حجاب کو دین کا رکن نہیں سمجھتے۔

2۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے دین سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

3۔ کچھ لوگ اسے خواتین پر پابندی قرار دیتے ہیں۔

4۔ کچھ لوگ اسے عورت کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ نہیں کہ حجاب کے احکام صرف اسلام میں بیان کئے گئے ہیں سچائی تو یہ ہے کہ حجاب کے متعلق احکام دین اسلام سے ماقبل کے ادیان و مذہب اور ممالک میں بھی رہے ہیں لیکن ان کا طرز اور انداز جداگانہ تھا اسلام نے اس کو دستوری اور اساسی اور اخلاقی حیثیت دی ہے۔ ضروری ہے کہ ماقبل اسلام کی مختصر تصویر پیش کی جائے۔

یونانیوں کے نزدیک عورت گھر کی ملکہ تھی، اس کے فرائض کا دائرہ گھر تک محدود تھا اور ان حدود میں وہ پوری طرح بااقتدار تھی، اس کی عصمت ایک قیمتی چیز تھی جس کو قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، شریف یونانیوں کے ہاں پردے کا رواج تھا، ان کے گھروں میں زنانخانے، مردانخانوں (یعنی مردوں کے لئے علحدہ اور عورتوں کے لئے علحدہ دیوان خانے) سے الگ ہوتے تھے ان کی عورتیں مخلوط محفلوں میں شریک نہ ہوتی تھیں۔ یہ اس زمانے کا حال تھا جب یونانی قوم خوب طاقتور تھی اور پورے زور کے ساتھ عروج وترقی کی طرف جارہی تھی۔

رفتہ رفتہ اہل یونان پر نفس پرستی اور شہوانیت کا غلبہ شروع ہوا، رنڈی کا کوٹھا یونانی سوسائٹی کے ادنی سے لے کر اعلی تک ہر ایک کا مرکز ومرجع بنا ہوا تھا، حسن پرستی نے شہوانیت کی آگ کو اسطرح بھڑکایا کہ وہ مجسموں اور آرٹ کے عریاں نمونوں میں اس کا اظہار کرتے تھے، معلمین اخلاق نے اس کو دو شخصیتوں کے درمیان" دوستی کا مضبوط رشتہ" قرار دیا۔ بڑے بڑے فلاسفہ اور معلمین اخلاق بھی زنا اور فحش میں کوئی قباحت اور کوئی چیز قابل ملامت نہ پاتے تھے۔

عام طور پر یونانی لوگ نکاح کو ایک غیر ضروری رسم سمجھنے لگے تھے اور نکاح کے بغیر عورت مرد کا تعلق بالکل معقول سمجھا جاتا تھا جس کو کسی سے چھپانے کی ضرورت نہ تھی، حتی کہ دیوی دیوتا کا عالم یہ تھا کہ ایک دیوتا کی بیوی ہوتے ہوئے اس نے تین مزید دیوتاؤں سے آشنائی کر رکھی تھی۔ ان برائیوں کے نتیجے میں اس دور کے بعد یونانی قوم کو زندگی کا کوئی دوسرا دور پھر نصیب نہیں ہوا۔ (پردہ۔ مودودی)

یونان کے بعد جس ملک کو عروج حاصل ہوا وہ روم ہے، ان کا نظام معاشرت میں یونان کی طرح پردے کا رواج تو نہ تھا، مگر عورت اور جوان نسل کو خاندانی نظام میں کس کر رکھا گیا تھا، عصمت وعزت خصوصا عورت کے معاملے میں ایک قیمتی چیز تھی اور اس کو معیار شرافت سمجھا جاتا، اخلاق کا معیار کافی بلند تھا، عورت اور مرد کے تعلق کی جائز اور شریفانہ صورت نکاح کے سوا کوئی دوسری نہ تھی۔

تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اہل روم کا نظریہ عورت کے بارے میں بدلتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ نکاح وطلاق کے قوانین اور خاندانی نظام کی ترکیب میں اتنا تغیر رونما ہوا کہ نکاح صرف ایک قانونی معاہدہ (Civel Contract) بن کر رہ گیا۔ رومی عورتیں معاشی حیثیت سے نہ صرف خود مختار ہوگئیں بلکہ قومی دولت کا ایک بڑا حصہ بتدریج ان کے حیطہ اختیار میں چلا گیا وہ اپنے شوہروں کو بھاری شرح سود پر قرض دیتی تھیں، اور مالدار عورتوں کے شوہر عملاً ان کے غلام بن کر رہ جاتے۔

طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھیں کہ بات بات پر ازدواج کا رشتہ توڑا جانے لگا عورتیں اپنی عمر کا حساب شوہروں کی تعداد سے لگانے لگیں، اس دور میں ایک عورت یکے بعد دیگرے کئی کئی شادیاں کرتی چلی جاتی تھی "مارشل ایک عورت کا ذکر کرتا ہے:

"جو 10 خاوند کر چکی تھی۔"

جو دنیل ایک عورت کے متعلق لکھتا ہے:

"اس نے پانچ سال میں آٹھ شوہر بدلے۔"

سینٹ جروم ان سب سے زیادہ باکمال عورت کا حال لکھتا ہے کہ جس نے "آخری بار تیئیسواں شوہر کیا تھا اور اپنے شوہر کی بھی وہ اکیسویں بیوی تھی۔"

اخلاق ومعاشرت کے بند جب اتنے ڈھیلے ہوگئے تو روم میں شہوانیت، عریانی اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ تھیٹروں میں بے حیائی وعریانی کے مظاہرے ہونے لگے، ننگی اور نہایت فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کیلئے ضروری ہوگئیں، قحبہ گری کے کاروبار کا فروغ ہوا، فلورا نامی ایک کھیل رومیوں میں نہایت ہی مقبول ہوا، کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی، عورتوں اور مردوں کے بر سر عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی اس دور میں عام تھا۔ بہیمی خواہشات ایسا پیوند خاک ہوا کہ پھر اس کی اینٹ بھی

اپنی جگہ پر قائم نہ رہی۔(پردہ۔مودودی)

دنیائے انسانیت کی قدیم تہذیبوں میں ایک ہندو مذہب بھی ہے ان کے پاس بھی عورت کے لئے پردے کا رواج اور حکم تھا جو ان کی بیشتر مذہبی کتابوں میں مذکور ہے جیسا کہ ہریش چریتم میں لکھا ہے:

”جب سے شریف اور خاندانی عورتوں کے چہروں پر نقاب کی جالی نہ رہی ان کی شرم وحیاء جاتی رہی (ہرش اچھورس۔۲) اسی طرح ایک اور مقام پر مذکور ہے:

” سری کرشن کے ماموں کنشن متھرا کے راجہ نے جب کشتی کا دنگل قائم کیا تو مستورات کے دیکھنے کے لئے خاص مکانات بنوائے تھے، وہ اتنی بلندی پر تھے کہ راجہ ہنس اڑتے ہوئے نظر آتے تھے ان پر باریک جالی لگائی گئی تھی، جہاں سے خواتین دیکھتی تھیں۔“

(مہابھارت، وشوپرتاب ادھائے:19)

ہندو دھرم میں سیتا جی کا بڑا مقام ہے ، بن باس (جلاوطنی) کے وقت جناب رام چندر جی سیتا کے ساتھ گھر سے نکلے تو لوگوں نے شور مچایا اور آہ و بکا کرنے لگے کہ کیا برا وقت آ گیا ہے، وہ سیتا جس کو آسمانی دیوتا بھی نہیں دیکھ پائے تھے اسے بازاری لوگ دیکھ رہے ہیں۔“(رامائن، اجودھیا کانڈم سرگ:33)

اسی طرح ارجن کی بیوی دریدی ایک مقام پر کہتی ہیں:

”اے بزرگو! راجہ نے مجھے سوئمبر کے موقع پر دیکھا تھا، اس سے پہلے مجھے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

آج بد قسمتی سے غیر مردوں کے سامنے آنا پڑا، اجنبی لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہوگی کہ مجھ جیسی پاک دامن خاتون لوگوں کے روبرو آئے، ہزار افسوس کہ راجہ دھرم کھو بیٹھے، ہم تو سنتے آئے تھے کہ قدیم زمانے کے شرفاء اپنی منکوحہ کو کبھی بھی مجمع میں نہیں لے جاتے تھے افسوس اب اس خاندان کا دھرم جاتا رہا۔“ (مہا بھارت، سبھا پرب ادھیا:49)

ہندو مذہب کی یہ وہ تصویر ہے جسے موجودہ بھگوا دھاری فراموش کر رہے ہیں۔

لیکن ہندو مذھب کے ماننے والوں پر 1729ء۔ تا۔ 1924ء تک ایک ایسا قانون انگریزی اقتدار اور اعلیٰ ذات کی جانب سے مسلط کیا گیا کہ نچلی ذات کی خواتین کو بدن کے اوپری حصہ (یعنی سینے) کو چھپانے کی پابندی عائد کر دی گئی اور یہ پابندی 195 سال تک نافذ العمل رہی اتنا طویل عرصہ نچلی ذات کی خواتین اپنا اوپری بدن ننگا ہی رکھ کی زندگی بسر کرتی تھیں۔

نچلی ذات کی کوئی بھی خاتون اگر وہ اپنے سینے کو چھپانا چاہتی تو اسے شرم ناک ٹیکس” مولا کرم“ ادا کرنا پڑتا، اور جو خاتون ٹیکس ادا نہیں کرتی اس کا لباس ایک ہتھیار سے پھاڑ کر سر عام بے لباس کر دیا جاتا تھا کافی جدوجہد کے بعد 19ویں صدی میں نادر طبقے کی ایک بہادر غریب خاتون” نانگیلی“ نے وقت کی حکومت سے ٹکر لی اور ٹیکس کے بدلے اپنا سینہ کاٹ کر حاکم وقت کے سامنے پیش کر دیا، اسی حالت میں وہ اپنی قوم کے حق میں تڑپتے ہوئے مر گئی اور یہ قانون کالعدم قرار دیا گیا۔

کچھ ایسا ہی حال دنیائے مسیحیت کا بھی رہا ہے اس کے برخلاف دین اسلام کا آفاقی نظام ہے جس میں تبدیلی اور ردو بدل کا حق نہ صحابہ کو، نہ تابعین کو، نہ تبع تابعین کو، نہ علمائے ربانی کو کسی بھی زمانے میں حاصل نہیں رہا اور نہ رہے گا، بلکہ اس شریعت کا نفاذ خلفائے راشدین، امراء وبادشاہوں پر فرض عین ہے اسی لئے تاقیامت مسلمان اس کے نفاذ کی جدوجہد میں لگا رہے گا اسلامی احکام وقوانین سے سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے برخلاف دین اسلام نے خواتین کو تحفظ و امن فراہم کیا ہے ان کے عزت وعصمت وناموس کی حفاظت کے لئے سخت ترین قوانین مرتب کئے گئے ہیں اور سختی سے نافذ بھی کیا گیا جب تک ماحول پر امن تھا اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا لیکن جب دین اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور ہر چار سو دشمنوں کی بھرمار ہوئی، مختلف تہذیبوں کے لوگ مدینہ میں اکٹھا ہونے لگے-

یہود ومشرکین و منافقین کی ریشہ دوانیوں کے خطرات بڑھنے لگے تو سیدنا عمر بن الخطاب ؓ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ اصرار تھا کہ اپنی بیویوں کو پردہ کروائیں در اصل واقعہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں رات میں مناصع کی طرف قضاحاجت کے لئے جاتیں اور مناصع ایک کھلا میدان ہے، تو سیدنا عمر ؓ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو پردہ کروائیں۔

مگر رسول اللہ ﷺ نے اس (مشورہ) پر عمل نہیں کیا ، ایک روز رات کو عشاء کے وقت (ام المؤمنین) سودہ بنت زمعہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ جو دراز قد عورت تھیں (باہر) گئیں۔ سیدنا عمر ؓ نے انھیں آواز دی (اور کہا) ہم نے تمہیں پہچان لیا اور ان کی خواہش یہ تھی کہ پردہ (کا حکم) نازل ہو جائے ۔ چنانچہ (اس کے بعد) اللہ نے پردہ (کا حکم) نازل فرمادیا۔“(صحیح بخاری:146)

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا سیدنا صفیہ ؓ سے نکاح ہوا اور تقریب ولیمہ کے بعد جب ”ہم مدینہ جانے لگے تو میں نے دیکھا کہ

رسول اللہ ﷺ نے عباء سے سیدہ صفیہ ؓ کیلئے پردہ کرایا۔“(صحیح بخاری:2235)

برقعہ اور پردہ میں چہرہ داخل ہے چونکہ چہرہ ہی خوبصورتی و حسن و جمال کا مظہر ہے ، عورت کی خوبصورتی کا اندازہ چہرہ سے ہی لگایا جاتا ہے، ہم خود جب اپنے بیٹوں کے لئے لڑکیاں دیکھتے ہیں تو سب

سے پہلے چہرہ ہی دیکھا جاتا ہے، یا ہم کسی بھی لڑکی کی خوبصورتی کے بارے میں ہی سوال کرتے ہیں:

"ایک صحابی نے انصار کی خاتون سے نکاح کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کی عورتوں کا چہرہ دیکھ لو کیونکہ ان کی آنکھ میں عیب ہوتا ہے۔"

جب ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنو المصطلق سے واپسی کے موقع پر پیچھے رہ گئیں اور لشکر اسلام آگے نکل گیا اور وہ چھوٹ گئیں جب وہ لوٹیں تو حیران رہ گئیں کہ اسلامی لشکر کوچ کر چکا ہے، ایک سائے دار درخت کے نیچے بیٹھ گئیں اس امید سے کہ کوئی آئے گا، آپ کو نیند لگ گئی اور اور کچھ دیر کے بعد سیدنا صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ لشکر کے پڑاؤ کی جگہ واپس آئے تا کہ مسلمانوں کا گرا پڑا ساز و سامان اٹھا کر لے جائیں۔

جب انھوں نے دیکھا کہ ام المؤمنین چھوٹ گئی ہیں تو انا للہ پڑھا، ان کی آواز سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جاگ گئیں کہتی ہیں کہ

"سب سے پہلے اپنی چادر سے میں نے اپنے چہرے کو ڈھانپا۔"

معلوم ہوا کہ چہرہ پردہ کی چیز ہے اس کو کسی پر ظاہر نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"کعبۃ اللہ میں دوران طواف جب بھی مردوں کی کوئی جماعت ہمارے نزدیک سے گزرتی تو ہم اپنی چادروں سے اپنے چہرے کو چھپا لیتے۔"

دین اسلام نے خواتین کے لئے ستر و حجاب کے حدود بیان کئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخَرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ مِنْهَا»

"کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ کھولے، یہ کہہ کر آپ نے اپنی کلائی کا نصف حصہ پر ہاتھ رکھا۔" (ابن جریر)

پردہ و حجاب کا بنیادی مقصد کسی بھی خاتون کی عدم معرفت ہے یعنی کوئی عورت شناخت نہ کی جائے کہ وہ کس کی بیٹی بہن، ماں، بیوی ہے، جوان ہے کہ بوڑھی ہے، کس قبیلے، خاندان و گھرانے کی ہے اس کے علاوہ وامن وامان میں رہے بدقماشوں، اور آوارہ لوگوں کی شرارت کا شکار نہ ہوں کیونکہ برقعہ شرافت و تکریم کی نشانی ہے۔ اس مقصد کو خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ (سورۃ الاحزاب:59)

" اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے چہروں پر نقاب ڈالا کریں اس سے ان کی بہت جلد شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت میں خاص حکم چہروں کے چھپانے کا دیا گیا ہے جب مسلمان عورتیں مستور ہو کر باہر نکلیں گی تو لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ شریف عورتیں ہیں، بے حیاء نہیں ہیں اسی لئے کوئی ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔

ایسی بوڑھی اور عمر رسیدہ عورتیں جن کا حسن جاتا رہا اور خوبصورتی زائل ہو چکی ہو، اور جن کے ایام ماہواری بند ہو چکے ہوں، اور جن کی نفسانی خواہشات و نکاح کی رغبت ختم ہو چکی ہو ان کے لئے حجاب کے مسائل میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شرطیہ تخفیف دی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ (سورۃ النور:8)

" اور بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں اگر اپنے ڈوپٹے اتار کر رکھا کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اپنی زینت کی نمائش نہ ہو، اگر وہ احتیاط رکھیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔"

برقعہ یا حجاب ایسے باریک کپڑے کا نہ ہو جس سے جسم کا اندرونی حصہ نظر آئے بلکہ وہ ایسے موٹے کپڑے کا ہو جس سے اندرونی حصہ دکھائی نہ دے ایک مرتبہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کی سالی تھیں ایک مرتبہ باریک لباس پہن کر سامنے آئیں اور ان کا جسم اندر سے جھلک رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی نظروں کو پھیر لیا" اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ حفصہ بنت عبد الرحمن، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ ایک باریک ڈوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے پھاڑ دیا اور ایک موٹی اوڑھنی ان پر ڈالی۔" (مؤطا امام مالک)

جو عورتیں باریک و پتلا اور چست حجاب و برقعہ اوڑھتی ہیں ان پر نبی ﷺ نے سخت تنبیہ کی ہے اور فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الكَاسِيَاتِ العَارِيَاتِ»

"لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی نظر آتی ہیں۔"

اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا:

"اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اسی طرح چست ہوں کہ سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہو۔" (المبسوط)

اکیسویں صدی عیسوی میں مخالف اسلام تحریکوں نے حجاب کو سیاسی مسئلہ بنا دیا اور اسلام اور مسلمانوں کی

ہر سال 4 ستمبر کو حجاب کا عالمی دن منایا جاتا ہے یہ دن 4 ستمبر 2004ء کو فرانس میں حجاب پر پابندی کے قانون کی منظوری کے بعد سے منایا جانے لگا، سب سے پہلے اسے منانے کا آغاز بھی فرانس ہی سے ہوا بعد میں کینیڈا کی یونیورسٹیوں میں بھی اس کا آغاز ہوا۔ فرانس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بلجیم، آسٹریلیا اور ہالینڈ نے حجاب پر پابندی کا اعلان کیا ہے "ہالینڈ" کے وزیر اعظم "میکسن" نے کہا تھا: "آئندہ سال برقعہ، نقاب، یا حجاب اور ایسے ملبوسات جن سے چہرہ نظر نہ آئے ایسے لباس پہننے پر مکمل پابندی ہوگی۔"

اندھی مخالفت پر اتر آئے اور ایوانوں میں حجاب کے خلاف قرار دادیں منظور کیں اور سخت قوانین مرتب کئے، اس ضمن میں سب سے پہلا مغربی ملک فرانس ہے جس نے حجاب پر پابندی لگائی، فرانس میں مسلم خواتین کو گھر سے باہر حجاب پہن کر نکلنے پر نہ صرف پابندی عائد ہے بلکہ جرمانے کے ساتھ ساتھ سات دن کی قید کی سزاء کا بھی قانون نافذ کیا ہے۔

ہر سال 4 ستمبر کو حجاب کا عالمی دن منایا جاتا ہے یہ دن 4 ستمبر 2004ء کو فرانس میں حجاب پر پابندی کے قانون کی منظوری کے بعد سے منایا جانے لگا، سب سے پہلے اسے منانے کا آغاز بھی فرانس ہی سے ہوا بعد میں کینیڈا کی یونیورسٹیوں میں بھی اس کا آغاز ہوا۔ فرانس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بلجیم، آسٹریلیا اور ہالینڈ نے حجاب پر پابندی کا اعلان کیا ہے "ہالینڈ" کے وزیر اعظم "میکسن" نے کہا تھا:

"آئندہ سال برقعہ، نقاب، یا حجاب اور ایسے ملبوسات جن سے چہرہ نظر نہ آئے ایسے لباس پہننے پر مکمل پابندی ہوگی۔"

حجاب کی مخالفت میں پروان چڑھائے جانے والے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دو خواتین نے بہت ہی جدوجہد کی ہے ان میں سے ایک بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والی ناظمہ خان نے سوشیل میڈیا پر حجاب تحریک شروع کیا۔

ناظمہ خان بیان کرتی ہیں:

"جب وہ نیویارک کے اسکول میں پڑھتی تھیں تو انھیں "حجابی لڑکی" کہا جانے لگا، جب وہ مڈل اسکول میں پہنچیں تو انھیں "بیاٹ میان" (یعنی چمگادڑ کے نقش پر بنایا گیا ایک کردار ہے۔"

مثال کے طور پر "اسپیڈر میان" کا تصور ہے جو مکھڑی کے نقش پر بنایا گیا ایک کردار ہے) یا "ننجا" (یعنی قدیم زمانے کے جاپانی ماشل آرٹس کے سیکھنے والوں کا وہ کالا لباس جو سیکھتے وقت پہنا کرتے تھے بالخصوص جو جاسوسی اور قتل کے ملازم ہوا کرتے تھے اور بنا ہتھیار کے لڑا کرتے تھے) کے نام سے پکارا جانے لگا۔"

اسی طرح 11/2001ء کے بعد جب وہ کالج پہنچیں تو انھیں "اسامہ بن لادن" یا "دہشت گرد" کہا جاتا تھا۔

مخالف تحریک "حجاب" کے بالمقابل سینہ سپر ہونے والی دوسری خاتون "مروہ الشربيني" ہیں، جن کا تعلق مصر سے تھا، لیکن وہ اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ جرمنی میں مقیم ہوگئیں، جب بھی وہ باحجاب اپنے گھر سے نکلتیں تو ان کا پڑوسی 'ایلکس" نامی جو روسی نژاد جنونی قسم کا آدمی تھا ان پر سخت الفاظ میں طنزیہ فقرے کستا تھا، مجبوراً اس خاتون نے قانون کا سہارا لیا بالآخر اس پر جرمانہ عائد کیا گیا۔

جولائی 2009ء کی بات ہے کہ قانونی لڑائی کے دوران جب عدالت میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو "ایلکس" نے ایک تیز دھار چاقو سے اس خاتون مروہ پر یہ کہتے ہوئے حملہ کر دیا کہ: "تم کو جینے کا کوئی حق نہیں" اور تین ماہ کی حاملہ مروہ اسلام دشمنی، نفرت و تعصب کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون)

اس کا جرم صرف "حجاب" پہننا تھا عالم اسلام نے مروہ کو "شہیدۃ الحجاب" کے خطاب سے نوازا۔

حجاب کے معاملے میں کسی بھی فتنے و شر انگیزی سے ہندوستان پاک و صاف تھا لیکن اچانک مسلم دشمنی میں سنگھ پریوار اور بھگوا دھاری تحریکوں نے کرناٹکا میں اچانک سورش بپا کی، اور آناً فاناً ہی سارا ملک اس کی لپیٹ میں آگیا بلکہ ساری دنیا میں اس کا شور مچ گیا، لیکن میسور کی اس بہادر بیٹی مسکان خان کے حوصلے کو سلام جس نے تن تنہا بھگوا دھاریوں کا مقابلہ "اللہ اکبر" کے نعرے بلند کرتے ہوئے کیا جس کے سبب سارے مخالفین حجاب حیران و ششدر رہ گئے اور ان کے اوسان خطا ہوگئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حجاب پر پابندی کے ذریعہ سے مخالف اسلام محاذ کی نیت یونان اور روم کے نقوش قائم کرنے کی ہے۔ ہم اسے صرف سیاسی ہتھکنڈہ نہ سمجھیں بلکہ یہ ایک ایسی تحریک ہے جو مسلم امہ کو دین سے برگزشتہ کرنا چاہتی ہے۔ یہاں دوسری بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مخالفین اسلام نے یہ پیغام مسلم امت کے اکابرین و قائدین کو صاف طور پر دے دیا ہے کہ ملک میں رہنا ہو تو ہمارے مرہون منت اور رحم و کرم پر رہو۔

ضروری ہے کہ امت کے ٹھیکیدار جاگیں اور مسلم تعلیمی نظام کو قائم کریں، تمام جامع مساجد اور اوقافی اراضیات پر تعلیمی ادارے قائم کرکے امت کی بقا کی فکر کی جائے، تاکہ ملت اسلامیہ کے نونہال معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ مکمل مذہبی پیرھن اپنا سکیں جہاں ان کا دین بھی قائم رہے اور وہ دنیا میں بھی ترقی کرتے رہیں کیونکہ غیر مسلم تعلیمی ادارے مسلم امت کے ساتھ جو رویہ اختیار کرنے والے ہیں بات صاف کردی گئی ہے۔

عقیدہ و منہج

# کراماتِ اولیاء اللہ

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب ڈڈلی (قسط 2)

## سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے رات کے وقت سورۃ البقرہ پڑھنے پر فرشتوں کا نزول فرمانا

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

رات کے وقت وہ سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا، اتنے میں گھوڑا بدکنے لگا تو انہوں نے تلاوت بند کر دی تو گھوڑا بھی رک گیا، پھر انہوں نے تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا، اس مرتبہ بھی جب انہوں نے تلاوت بند کی تو گھوڑا بھی خاموش ہو گیا، تیسری مرتبہ انہوں نے جب تلاوت شروع کی تو پھر گھوڑا بدکا، ان کے بیٹے یحییٰ چونکہ گھوڑے کے قریب ہی تھے، اس لیے اس ڈر سے کہ کہیں انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے، انہوں نے تلاوت بند کر دی اور بچے کو وہاں سے ہٹا دیا پھر اوپر نظر اٹھائی تو کچھ نہ دکھائی دیا، صبح کے وقت یہ واقعہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اسید بن حضیر! تم پڑھتے رہتے تلاوت بند نہ کرتے تو بہتر تھا، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے ڈر لگا کہ کہیں گھوڑا میرے بچے یحییٰ کو نہ کچل ڈالے، وہ اس سے بہت قریب تھا، میں نے سر اوپر اٹھایا اور پھر یحییٰ کی طرف گیا، پھر میں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو ایک چھتری سی نظر آئی جس میں روشن چراغ تھے، پھر جب میں دوبارہ باہر آیا تو میں نے اسے نہیں دیکھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہیں معلوم بھی ہے وہ کیا چیز تھی؟ سیدنا اسید نے عرض کیا کہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے تمہاری آواز سننے کے لیے قریب ہو رہے تھے، اگر تم رات بھر پڑھتے رہتے تو صبح تک اور لوگ بھی انہیں دیکھتے وہ لوگوں سے چھپتے نہیں!

اس سے سورۂ بقرہ کی فضیلت ثابت ہوئی اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی کرامت بھی کہ ان کی تلاوت سننے کے لیے فرشتے آسمان سے زمین پر آ گئے تھے۔ (صحیح بخاری:5018)

## سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بد دعا ابو سعدہ کے لیے

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

اہل کوفہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی، اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو علیحدہ کر کے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا حاکم بنایا، تو کوفہ والوں نے سعد کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ وہ تو اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا بھیجا، آپ نے ان سے پوچھا کہ اے ابو اسحاق! ان کوفہ والوں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے ہو، اس پر آپ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھاتا تھا، اس میں کوتاہی نہیں کرتا، عشاء کی نماز پڑھاتا تو اس کی دو پہلی رکعات میں قراءت لمبی کرتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اے ابو اسحاق! مجھ کو تم سے امید بھی یہی تھی پھر آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک یا کئی آدمیوں کو کوفہ بھیجا، قاصد نے ہر ہر مسجد میں جا کر ان کے متعلق پوچھا، سب نے آپ کی تعریف کی لیکن جب مسجد بن عبس میں گئے تو ایک شخص نے جس کا نام سیدنا اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابو سعدہ تھی کھڑا ہوا، اس نے کہا کہ جب آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو سنیے سعد نہ فوج کے ساتھ خود جہاد کرتے تھے، نہ مال غنیمت کی تقسیم صحیح کرتے تھے اور نہ فیصلے میں عدل و انصاف کرتے تھے، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ

اللہ کی قسم! میں تمہاری اس بات پر تین دعائیں کرتا ہوں، اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریاو نمود کے لیے کھڑا ہوا ہے، تو اس کی عمر دراز کر اور اسے خوب محتاج بنا اور اسے فتنوں میں مبتلا کر۔''

اس کے بعد وہ شخص اس درجہ بدحال ہوا کہ

جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بد دعا لگ گئی، عبد الملک نے کہا کہ

میں نے اسے دیکھا اس کی بھوئیں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آ گئی تھیں، لیکن اب بھی وہ راستوں میں لڑکیوں کو چھیڑنا۔

### تشریح:

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے نماز کی جو تفصیل بیان کی اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، اسی سے باب کے جملہ مقاصد ثابت ہو گئے، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یہ مستجاب الدعوات تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ عہدِ فاروقی میں یہ کوفہ کے گورنر تھے، مگر کوفہ والوں کی بے وفائی مشہور ہے، انہوں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹی شکایتیں کیں، آخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

وہاں کے حالات کا اندازہ فرما کر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے یہ کافی ہے کہ جنگ احد میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بچاؤ کے لیے بے نظیر جرأت کا ثبوت دیا، جس سے خوش ہو کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اے سعد! تیرا چلا، تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، یہ فضیلت کسی اور صحابی کو نصیب نہیں ہوئی، جنگ ایران میں انہوں نے شجاعت کے وہ جوہر دکھلائے، جن سے اسلامی تاریخ بھرپور ہے، سارے ایران پر اسلامی پرچم لہرا دیا، رستم ثانی کو میدان کارزار میں بڑی آسانی سے مار لیا، جو اکیلا ہزار آدمیوں کے مقابلہ پر سمجھا جاتا تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن قتادہ کوفی کے حق میں بد دعا کی جس نے آپ پر الزامات لگائے تھے، اللہ تعالیٰ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی دعا قبول کی اور وہ نتیجہ ہوا جس یہاں ذکر موجود ہے، معلوم ہوا کہ کسی پر ناحق کوئی الزام لگانا بہت بڑا گناہ ہے، ایسی حالت میں مظلوم کی بد دعا سے ڈرنا، ایمان کی خاصیت ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، 755، ترجمہ وتشریح از مولانا محمد داؤد راز رحمہ اللہ)

یہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے کہ ان کی بد دعا سے ابو سعدہ کو تینوں ذلتوں سے دوچار ہونا پڑا اور انہیں اسی کا یقین تھا اور وہ خود لوگوں سے اس حقیقت کا اعتراف کرتے تھے۔

## شیطان نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیۃ الکرسی کی فضیلت بتلائی جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے تصدیق فرمادی!

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان کی زکوۃ (صدقہ فطر) کی حفاظت کیلئے مقرر فرمایا تو ایک رات کو ایک آنے والا آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے والی چیزیں بھرنا شروع کر دیں، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں محتاج، عیال دار اور سخت حاجت مند ہوں۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! اپنے رات کے قیدی کا حال تو سناؤ؟" میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! جب اس نے کہا کہ وہ سخت حاجت مند اور عیال دار ہے تو میں نے رحم کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے اور پھر آئے گا۔" اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ واقعی دوبارہ آئے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دے دی تھی کہ وہ دوبارہ آئے گا، سو میں چوکنا رہا، چنانچہ وہ آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) خوراک ڈالنا شروع کر دی۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو میں بہت محتاج ہوں اور مجھ پر اہل وعیال کی ذمہ داری کا بوجھ ہے، اب میں آئندہ نہیں آؤں گا۔ میں نے رحم کھاتے ہوئے اسے پھر چھوڑ دیا۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! اپنے قیدی کا حال سناؤ؟" میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ اس نے سخت حاجت اور اہل وعیال کی ذمہ داری کے بوجھ کا ذکر کیا تو میں نے ترس کھاتے ہوئے اسے پھر چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر آئے گا۔"

میں نے تیسری بار اس کی گھات لگائی تو وہ پھر آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے کی اشیاء ڈالنا شروع کر دیں۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا، اب میں تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ بس یہ تیسری اور آخری دفعہ ہے، تو روز کہتا ہے کہ اب نہیں آئے گا لیکن وعدہ کرنے کے باوجود پھر آجاتا ہے۔

اس نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں تمھیں کچھ ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں نفع دے گا۔ میں نے کہا: وہ کیا کلمات ہیں؟ کہنے لگا:

جب بستر پر آؤ تو آیت الکرسی (اَللّٰہُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ) سے لے کر آخر تک پڑھ لیا کرو ساری رات اللہ کی طرف سے ایک محافظ تمہاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہ آسکے گا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اپنے رات کی قیدی کا حال سناؤ؟" میں نے عرض کی، اے اللہ کی رسول ﷺ! اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے گا تو (یہ سن کر) میں نے اسے پھر چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"وہ کلمات کیا ہیں؟" میں نے عرض کی، اس نے مجھ سے کہا کہ جب بستر پر آؤ تو اول سے آخر تک مکمل آیت الکرسی پڑھ لیا کرو تو اس سے ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ تمہاری حفاظت کرے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہیں آسکے گا۔

اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر وبھلائی کے سیکھنے کے حد درجہ شائق تھے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اس نے تم سے بات تو سچی کی ہے حالانکہ وہ خود تو جھوٹا ہے، اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم تین راتیں کس سے باتیں کرتے رہے ہو؟'

'میں نے عرض کی، نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا "وہ شیطان تھا۔"

(صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ)

## تشریح:

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور میں ہاتھ کا نشان دیکھا تھا جیسے اس میں سے اٹھا کر لے گیا ہو، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا تو اس کو پکڑنا چاہتا ہے؟ تو یوں کہہ! سبحان من سخرك لمحمد ﷺ "پاک ہے وہ ذات جس نے تجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع کر دیا ہے۔)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

میں نے یہی کہا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہوا ہے، میں نے اس کو پکڑ لیا۔(وحیدی)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے اور آمن الرسول سے اخیر سورہ تک۔ اس میں یوں ہے کہ صدقہ کی کھجور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حفاظت میں دی تھی، میں جو دیکھوں تو روز بروز وہ کم ہو رہی ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا شکوہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ شیطان کا کام ہے، پھر میں اس کو تاکتا رہا، وہ ہاتھی کی صورت میں نمودار ہوا، جب دروازے کے قریب پہنچا تو دروازوں میں سے صورت بدل کر اندر چلا آیا اور کھجوروں کے پاس آکر اس کے لقمے لگانے لگا، میں نے اپنے کپڑے مضبوط باندھے اور اس کی کمر پکڑی، میں نے کہا:

اللہ کے دشمن تو نے صدقہ کی کھجور اڑا دی، دوسرے لوگ تجھ سے زیادہ اس کے حق دار تھے، میں تجھے پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا، وہاں تیری خوب فضیحت ہو گی۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ

میں نے پوچھا تو میرے گھر میں کھجور کھانے کے لیے کیوں گھسا، کہنے لگا میں بوڑھا، محتاج، عیال دار ہوں اور نصیبین سے آ رہا ہوں، اگر مجھے کہیں اور کچھ مل جاتا تو میں تیرے پاس نہ آتا، اور ہم تمہارے ہی شہر میں رہا کرتے تھے، یہاں تک کہ تمہارے پیغمبر صاحب ہوئے، جب ان پر دو آیتیں اتری تو ہم بھاگ گئے۔ اگر تو مجھ کو چھوڑ دے تو میں وہ آیتیں تجھ کو سکھلا دوں گا۔ میں نے کہا، اچھا، پھر اس نے آیۃ الکرسی اور آمن الرسول سے سورۃ البقرہ کے اخیر تک بتلائی۔(فتح)

سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یوں روایت ہے کہ

میرے کھجور کا ایک تھیلا تھا، اس میں سے روز کھجور کم ہو رہی تھی، ایک دن میں نے دیکھا، ایک جوان خوبصورت لڑکا وہاں موجود ہے، میں نے پوچھا تو آدمی ہے یا جن ہے، وہ کہنے لگا میں جن ہوں، میں نے اس سے پوچھا، ہم تم سے کیسے بچیں؟ اس نے کہا کہ آیت الکرسی پڑھ کر، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس خبیث نے سچ کہا، معلوم ہوا، جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس میں شیطان شریک ہو جاتے ہیں، اور شیطان کا دیکھنا ممکن ہے جب وہ اپنی صورت بدل لے۔"(وحیدی)

حافظ صاحب فرماتے ہیں:

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں، جن میں سے ایک یہ کہ شیطان ایسی باتیں بھی جانتا ہے جن سے مؤمن فائدہ اٹھا سکتا ہے اور کبھی حکمت کی باتیں فاجر کے منہ سے بھی نکل جاتی ہیں، وہ خود تو ان سے فائدہ نہیں اٹھاتا مگر دوسرے سے سبق حاصل کر سکتے ہیں اور نفع حاصل کر سکتے ہیں اور بعض آدمی کچھ اچھی بات جانتے ہیں، مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے اور بعض کافر ایسی قابل تصدیق بات کہہ دیتے ہیں جیسے اہل ایمان مگر وہ کافر اس سے مؤمن نہیں ہو جاتے اور بعض دفعہ جھوٹوں کی بھی تصدیق کی جا سکتی ہے اور شیطان کی شان بھی یہ ہے کہ

اسے جھوٹا کہا جائے اور یہ کہ جسے کسی چیز کی حفاظت پر مامور کیا جائے اسے وکیل کہا جاتا ہے اور یہ کہ جنات انسانی غذائیں کھاتے ہیں اور وہ انسانوں کے سامنے ظاہر بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ جو مذکور ہوئی اور یہ بھی کہ وہ انسانی زبانوں میں کلام بھی کر سکتے ہیں اور وہ چوری بھی کر سکتے ہیں اور دھوکہ بازی بھی کر سکتے ہین، اس میں آیۃ الکرسی اور آخر سورۃ البقرہ کی بھی فضیلت ہے اور یہ بھی کہ شیطان اس غذا کو حاصل کر لیتے ہیں جس پر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا۔

(صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ: 2311؛ ترجمہ و تشریح مولانا محمد داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ)

اس حدیث سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس موضوع کی دیگر احادیث سے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی کرامتیں واضح ہوئی ہیں۔

☆☆☆

سیدنا مطرف بن شخیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ بندہ وہ ہے جو شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا ہو۔ جسے عطا کرے تو شکر کرے۔ اسے محروم رکھے تو صبر کرے۔

(الزھد از امام احمد بن حنبل:1334)

☆☆☆

سیدنا سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

لقمان حکیم سے پوچھا گیا: بدترین آدمی کون ہے؟ فرمایا:

"وہ جسے اس بات کی پروا نہیں کہ لوگ اسے برائی کرتے ہوئے دیکھیں۔"

(الزھد از امام احمد بن حنبل:275)




ذیل میں جبر و تشدد، مارپیٹ، منع عن المساجد کے چند واقعات لکھے جاتے ہیں کہ یہ اہلحدیث کی تاریخ دعوت وعزیمت کا حصہ ہیں:

☆اس واقعہ کے راوی جناب حافظ یوسف ہیں جو مظفر نگر کے رہنے والے تھے اور ضلع دار نہر ہونے سے پہلے امرتسر میں کتب فروشی کرتے تھے۔ حنفی المسلک تھے لیکن 1860ء میں اپنے مطالعہ کی بنا پر عامل بالحدیث ہوئے۔

بعد ازاں سید عبد اللہ غزنوی ؒ نے جب امرتسر میں قیام فرمایا، تو ان کے اخص مریدوں میں شامل ہوئے۔ حافظ محمد یوسف کہتے ہیں:

1860ء کا واقعہ ہے کہ میری عمر تخمیناً 20 برس کی تھی، میں امرتسر میں کتب فروشی کرتا تھا کہ میرے پاس مظاہر حق (ترجمہ مشکوٰۃ از نواب مولوی قطب الدین دہلوی) بھی آئی۔ میں نے اس میں رفع یدین کی حدیث دیکھی تو اپنے استاد مولوی غلام العلی امرتسریؒ کی خدمت میں پیش کی۔ مولوی صاحب چونکہ ان دنوں حنفی تھے اس لئے انہوں نے جواب دیا کہ یہ حدیث شافعیوں کی ہے۔ امام شافعی ؒ نے اس کو لیا ہے ہمارے امام اعظمؒ نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں نے کہا حدیث رسول اللہ ﷺ کی ہے یا نہیں؟ اور میں مولوی غلام رسول (امرتسری) کی مسجد میں رفع یدین کرتا رہا، ایک دفعہ مولوی صاحب موصوف نے مجھ کو اپنی مسجد سے نکال دیا۔ (چند روز بعد) میں دہلی گیا۔ وہاں بھی (میرے) آمین بالجہر کہنے پر شور بپا ہوا۔ میں نے نواب قطب الدین کی مسجد میں جاکر عمل بالحدیث کیا، تو نواب صاحب خفا ہوئے، میں نے کہا آپ کی کتاب مظاہر حق سے تو مجھے ہدایت ہوئی اور آپ ہی منع کرتے ہیں، مگر نواب صاحب یہی فرماتے رہے کہ یہاں مت آیا کرو۔ حضرت میاں (نذیر حسین) صاحب مرحوم بھی ان دنوں عمل بالحدیث نہ کرتے تھے۔ اس لئے (مولوی سید عبد الخالق کے بیٹے، دہلی کے مشہور واعظ اور میاں نذیر حسین محدث کے برادر نسبتی) مولوی عبد الرب نے بڑی سختی سے میری تردید کی اور بطور طعنے کے کہا کہ اگر یہ سنت ہے تو مولوی نذیر حسین کیوں نہیں کرتے؟ یہ سن کر میں نے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں جاکر عرض کیا:

یا تو یہ فرمایئے کہ یہ فعل سنت نہیں یا خود کیجئے، علما ہم کو طعن دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت میاں صاحب نے فرمایا، اچھا ہم بھی کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے عمل بالحدیث شروع کر دیا۔ بس پھر کیا تھا؟ حضرت میاں صاحب کا سلسلہ شاگردی تو بہت وسیع تھا، اس لئے دور دور تک اثر پہنچ گیا۔ (بعد ازاں) میں امرتسر ملازمت کے طبقے میں داخل ہوا۔ اس عرصہ میں مولوی عبد اللہ غزنویؒ امرتسر تشریف لائے، جن کے اثر صحبت سے عمل بالحدیث کو بہت ترقی ہوئی۔

(نقوش ابو الوفا۔ ابو یحیٰ امام خان ص 39-42۔ بحوالہ اہل حدیث 26 مئی 1911ء۔ منقول از دیباچہ رسائل اہل حدیث جلد دوم، لاہور طبع 1991ء ص۔21-24)

☆اور سید عبد اللہ غزنوی کو عمل بالحدیث کے جرم میں جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ وہ افغانستان کے رہنے والے تھے، جناب غلام رسول قلعوی نے لکھا ہے:

"کابل وغزنی کے گردونواح کے ملّا جو علم حدیث سے بے بہرہ تھے اور ایک عمر انہوں نے عقلی فنون اور فلسفی دقیقوں میں برباد کی ہوئی تھی اور بعض نے فقط فقہ کی ہر طرح کی روایتیں حاطب لیل کی طرح جمع کی ہوئی تھیں اور دینی تحقیقوں سے بالکل ناواقف تھے، انہوں نے شورش کے ساتھ سر اٹھایا اور جوش وخروش کے ساتھ جنگ وجدل کے لئے پیش آئے اور تکفیر اور تضلیل کے ساتھ زبان کو کھولا اور ایک لشکر آپ کے سر پر کھینچ لائے۔ لیکن اس سبب سے کہ آپ کے مخلص تابعداروں اور مریدوں کی ایک جماعت سنت کے زندہ کرنے پر متفق تھی اور مذاق ایمان کے ساتھ ذکر الٰہی کی حلاوت چکھ چکی تھی اور سنت سنیہ کی تابعداری اختیار کر چکی تھی۔ یہ سب ان کے مقابلہ کو تیار ہو گئے۔ جب وہ مقابلہ نہ کر سکے تو ناچار بھاگ گئے اور دغا اور فریب کو اپنا دست آویز ٹھہرایا، یعنی امیر کو کہنے لگے کہ یہ شخص امیر بننے کا داعیہ رکھتا ہے اور ملک گیری کا پختہ ارادہ کر چکا ہے۔ لہٰذا قاضی عبد الکریم جان کے کہنے کے موافق جو وہ آپ کے مریدوں میں سے ایک مرید تھا اور عالم مدقق اور ذی فنون اور موحد کامل تھا، امیر کابل کے پاس گئے۔ مجمع میں ملاؤں نے رنگارنگ کی باتیں کیں اور طرح طرح کے بہتان آپ کے ذمہ لگائے جو سب کے سب واہیات ہیں۔ از انجملہ ایک شخص بولا کہ یہ رفع سبابہ کرتا ہے۔ امیر بولا ہم بھی رفع سبابہ کرتے ہیں۔ وہ بولا، تو بھی برا کرتا ہے۔ آپ کا ہمشیر زادہ قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں نے ان سے سنا ہے کہ کہتے تھے وہ ارادت کہ میں مولانا اسماعیل شہید کے حق میں رکھتا ہوں بایزید بسطامی ؒ کے ساتھ نہیں رکھتا۔ امیر بولا، چھوڑ دے، یہ کلمہ کفر نہیں ہے۔ غرض ہر چند امیر کو معلوم تھا کہ یہ شخص سچا ہے۔ لیکن علما کی شورش سے ڈر کر بولا کہ مصلحت یہی ہے کہ آپ یہاں سے نکل جاؤ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اور فرماتے تھے کہ جب میں اٹھنے کے لئے تیار ہوتا امیر کے ملازم کہتے ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ شورش کم ہو جاوے اور مخلوقات کا اس قدر ہجوم تھا کہ قیاس میں نہیں آتا تھا۔ وہ لوگ جس کو ہمارے مریدوں میں دیکھ لیتے اس کو مارتے اور ایذا پہنچاتے۔ جب فتنہ فرو

ہو گیا ہم ہمراہ ہو کر ہجوم سے نکل گئے۔ اس جگہ سے ملک سواد میں اخوند صاحب کے پاس پہنچے۔(اور فرماتے تھے کہ مصیبت کے دنوں میں بہت مصیبتیں جن کا آیت ولنبلونکم۔۔الخ میں وعدہ دیا گیا ہے، وارد ہوئی تھیں۔) چنانچہ سواد میں بہت دن گذر گئے کہ سب یار بھوکے تھے اور دشمنوں کا خوف ہر جگہ اس قدر تھا کہ سوائے قتل کے نہ چھوڑیں گے اور عیال کی تنگ دستی اس قدر تھی کہ معاش کی کوئی وجہ مقرر نہ تھی اور کابل اور غزنی کے ملّا سخت سخت پیغام بھیجتے تھے کہ دیکھو برف موقوف ہونے کے بعد تمہارا انتظام کرتے ہیں۔(سوانح عمری عبد اللہ غزنوی)

**☆سانبہ، جموں**

سانبہ ضلع جموں میں ایک مسجد خاص اہل حدیث کی بنائی ہوئی ہے۔ اہل حدیث چونکہ پابندی شریعت کسی کلمہ گو کو اپنی مسجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکا کرتے، حنفی بھی نماز پڑھتے رہے۔ مسجد کے بانی میاں فتح دین سوداگر صابن تھے جو آج کل امرتسر میں مقیم تھے۔ اس مسجد میں بھی احناف نے شور مچایا کہ امام (اہلحدیث) ہم کو منظور نہیں۔ کوئی پوچھے کہ آپ کو دوسرے گھر میں منظور نامنظور کرنے کا اختیار کیا ہے؟ خبر آئی کہ ایک حاجی صاحب کی مہربانی سے بے چارے اہلحدیث کو سخت زدوکوب ہوئی۔
(اہلحدیث امرتسر 28۔اپریل 1922ء ص2۔3)

☆روڑی ضلع حصار میں مولوی سلیمان بن مولوی جمال الدین میں 1850ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان قدیم الایام سے حنفی المسلک تھا تاہم جب آپ نے حافظ محمد لکھوی کی زینت الاسلام اور انواع محمدی دیکھی تو ان کے دل میں حافظ محمد کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور یوں لکھو کے حاضر ہو کر ان سے استفادہ کیا جس کے نتیجے میں عمل بالحدیث کی راہ کھلی۔ پھر آپ کو جناب عبد الجبار غزنوی کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا اور مسلک اتباع سنت میں پختہ ہوئے۔ بعد ازاں آپ کے ذریعہ ضلع حصار میں کتاب و سنت کی کرنیں پھوٹیں۔ آپ کے بیٹے حکیم عبد اللہ نے لکھا تھا:

"تقریباً 40 سال پہلے (یعنی 1880ء کے گردو پیش) ہمارے اس ضلع (حصار) میں شائد کوئی قلیل ہی اہلحدیث ملتا ہوگا۔ بلکہ محقق حنفی بھی دو چار عالموں کے سوا نہ تھے۔ ایک تو میرے جد امجد مولوی جمال الدین تھے اور دوسرے مولوی نور محمد سوتروی مصنف شہباز شریعت، اور شائد ایک دو عالم اور ہوں۔ ان کے علاوہ سب بدعتی تھے۔ ہمارے ارد گرد یعنی سرسہ کی تحصیل میں تو رسوم شرکیہ و بدعیہ (گانا باندھنا، سہرا لگانا، جانٹی کاٹنا وغیرہ) قبروں پر قرآن شریف پھیرنا۔ قبروں پر نوشہ لے جانا۔ ستر قدم واپس آکر دعا مانگنا۔ تیجا، چوتھا، چہلم، ختم وغیرہ کا نہایت زور تھا۔ مولوی جمال الدین کی وفات کے بعد ہمارے گاؤں کو بھی بدقسمتی نے آگھیرا۔ یعنی ان بدعتی ملانوں نے وہی مذہب پھیلا دیا۔ اس وقت عین جاہلیت کا زمانہ تھا۔ میرے جد امجد، میرے والد مولوی محمد سلیمان کو صغر سنی و حالت طالب علمی میں ہی چھوڑ گئے تھے۔ میرے والد کچھ عرصہ تو اسی مذہب (مقلد محقق حنفی) پر ہی رہے۔ پھر بوجہ صحبت، حافظ محمد لکھوی و مولوی عبد الجبار غزنوی، مذہب اہلحدیث اختیار کر لیا اور رسوم شرکیہ کی بیخ کنی شروع کر دیا اور مذہب اہلحدیث کی ترغیب دینے لگے۔ بس اب کیا تھا، سارا زمانہ دشمن ہو گیا۔ اس وقت مولوی سلیمان کے دو تین دوست تھے۔ ایک تو آپ کے بھائی مولوی علاؤ الدین اور دو شخص اور تھے۔ اب یہ دونوں تینوں شخص طعن کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ کوکے سکھ ہیں، کوئی کہتا تھا کہ لامذہب و غیر مقلد وہابی ہیں۔ جب دھمکیوں سے کام نہ نکلا تو بڑے بڑے عالموں کو بلانا شروع کر دیا تاکہ وہ ان سے مناظرہ کر کے ان کو دبالیں اور عام لوگوں میں یہ خیال باطل جمارہے کہ ہم حق پر ہیں۔ غرض یہ کہ آپ کا بہت سے عالموں سے مناظرہ بھی ہوا۔ انجام یہ ہوا کہ مخالفوں نے آپ کو مسجد میں آنے اور جمعہ جماعت وغیرہ سے روک دیا۔ آپ نے اس زمانہ میں جوہڑوں اور تالابوں پر نماز باجماعت پڑھنا شروع کیا۔ کچھ مدت یہی حال رہا۔ نہ کوئی سلام کہنے والا۔ نہ کوئی سوائے برا کہنے کے، کلام کرتا تھا۔ نہ کسی سے لین دین تھا۔ آہستہ آہستہ اوپرے دل سے وعظ و نصیحت سننے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح جب غور سے سنا تو کلام ربانی نے اپنا جوہر دکھانا شروع کر دیا۔(اہل حدیث امرتسر۔13۔اکتوبر 1922ء)

☆پرنام بٹ شمالی ارکاٹ سے جناب پی عبد الصمد لکھتے ہیں:

"علماء دیوبند میں سے مفتی عزیز الرحمن پرنام بٹ میں مع اپنے چند تلامذہ کے بغرض حصول چندہ تشریف لائے اور نئی مسجد میں جو یہاں بازار میں واقع ہے، ماہ رمضان میں بعد نماز تراویح آپ کا وعظ ہوتا رہا۔ آپ کے مواعظ کے مضامین نہایت فتنہ خیز اور فساد انگیز ہوئے۔ کبھی یہ کہا کہ غیر مقلد ملحد ہیں اور کبھی اہلحدیث کے پیشوا شیخ العرب والعجم حضرت محدث بے نظیر سید محمد نذیر حسین مرحوم دہلوی پر ایک بڑا غلیظ بہتان باندھ کر کفر کی طرف منسوب کیا جس کی وجہ سے لوگوں میں خصوصاً فرقہ اہل حدیث میں سخت تشویش پیدا ہو گئی اور عوام میں درہمی برہمی پیدا ہو کر فتنہ و فساد کا دروازہ کھل گیا اور ہاتھا پائی تک نوبت پہونچ گئی۔

بعض معتقدین مفتی صاحب ممدوح یعنی یہاں کے ایک مسلمان یونین چیئرمین وغیرہ مجسٹریٹ صاحب کے ذریعہ سے اہل حدیث کے بعض واعظوں کا وعظ جو جامع مسجد اہل حدیث میں ہوا کرتا تھا، بند کروا دیا اور یہ کہا کہ یہ لوگ واعظین (اہل حدیث) اپنے وعظ میں عوام کو مخالفت و بغاوت حکومت برطانیہ پر آمادہ کرتے ہیں خصوصاً اس دعائے قنوت کی نسبت جو اسی مسجد میں پنجگانہ نمازوں میں حسب ارشاد و اشاعت مولانا حبیب الرحمن نائب مہتمم مدرسہ دیوبند پڑھی جاتی تھی یہ ظاہر کیا کہ یہ لوگ اہل حدیث حکومت برطانیہ پر بددعا کرتے ہیں۔ خیر الحمد للہ خوش آمدی کی

غرض فساد پوری نہ ہو سکی اور کلکٹر کے ہاں مرافعہ کرنے کے بعد وعظ وغیرہ حسب دستور جاری رکھنے کی اجازت ڈپٹی کلکٹر نے عطا کی۔ (اہل حدیث امرتسر 16 جولائی 1920ء)

☆اوکاڑہ

تھانہ اوکاڑہ ضلع منٹگمری پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک شخص اہلحدیث کو مخالفین نے محض مذہبی تعصب سے قتل کر دیا تھا اس میں 13۔ آدمی گرفتار ہوئے جن میں سے 10 کو 3، 3 سال سزا ہوئی۔ تین بری ہوئے۔ (اہل حدیث امرتسر 21 جولائی 1922ء ص13)

☆ کھیتڑی ضلع جے پور سے حکیم عبدالغفار لکھتے ہیں:

کھیتڑی ہندو راجہ کی بستی ہے جانب شمال شہر جے پور۔ کچھ عرصہ قبل ایک ذی علم موحد مولوی حافظ حکیم عبد العلی صاحب ریاست ٹونک سے آکر مقیم ہوئے ان کی کوشش سے کافی لوگ نماز روزہ کے پابند ہوئے ایک چھوٹا مدرسہ بھی جاری کیا۔ خوش عقیدہ تھے نواب صدیق حسن کی کئی کتابیں انکے پاس تھیں شائد یہی وجہ تھی۔

ان سے پڑھنے والوں میں ہمارے بزرگ حکیم محمد داور بخش بھی تھے جن سے انہیں بڑی محبت تھی۔ جب آپ نے عمل بالحدیث شروع کیا تو لوگوں نے تنگ کیا، وہابی رافضی کہا جانے لگا، مسجدوں میں نہ گھسنے دیتے۔ ایک دفعہ آپ دہلی گئے میاں(نذیر حسین) صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، ترجمہ قرآن سنا۔ بعد ترجمہ میاں صاحب سے عرض کیا کہ میں ایک غریب ایک بستی میں رہتا ہوں جب سے عمل بالحدیث شروع کیا ہے لوگ سخت مخالف ہو گئے ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں دہلی آنا چاہتا ہوں۔

میاں صاحب نے فرمایا، بھائی دین پر جو مصیبت آئے صبر سے برداشت کرو۔ دیکھو انبیاء پر کیسی کیسی مصیبتیں آئیں اور انہوں نے کس صبر سے برداشت کیں اور بھائی پہلے حق والا ایک ہی ہوتا ہے، بعد میں اس کے ساتھی اللہ تعالیٰ انہیں میں سے کر دیتا ہے۔ تم گھبراؤ نہیں اپنی بستی میں اتباع سنت کرتے رہو۔ تمہارے آنے میں دینی نقصان ہے۔ آپ نے میاں صاحب کی اس نصیحت کو قبول کیا اور آپ وہیں اسی بستی میں مقیم ہوئے، کام کرتے رہے۔ پھر دو بیٹوں کو دہلی پڑھنے بھیجا جن میں سے ایک عبدالجبار ہے جو اس وقت کھنڈیلہ ریاست جے پور کے مدرسہ اہلحدیث میں صدر مدرس ہے۔

اب اس گاؤں میں ایک مسجد اہل حدیث اور کنواں بھی بن گیا ہے، جس کو حافظ حمید اللہ صاحب سوداگر سوت دہلی نے تعمیر کرایا ہے چنانچہ اس بستی میں ایک دینی گلشن لگا ہوا۔ (اہل حدیث امرتسر، 19 جنوری 1923ء ص3۔4)

☆ روپڑ سے جناب عبدالرشید کلرک محکمہ نہر سرہند لکھتے ہیں:

تقریباً 1880ء کا ذکر ہے کہ روپڑ میں کسی فرد بشر کو اتنا علم نہیں تھا کہ اہل حدیث تو کجا حدیث کسے کہتے ہیں؟ شرک وبدعت سے یہ علاقہ بھرپور تھا۔ پھر خدا نے ایک بندے کو راہ حق دکھائی۔

خلیفہ فضل الٰہی (عبدالرشید کے نانا) گو عالم نہ تھے لیکن علماء کے صحبت یافتہ تھے اور ان کے خدمت گار اور امور شرکیہ بدعیہ میں مبتلا۔ عمر کوئی 30 برس ہو گی ایک روز اپنے والد کے ساتھ بازار میں تھے کہ کتب فروش کی دکان پر تقویۃ الایمان نظر آئی۔ آپ نے اسے اٹھایا، قیمت دریافت کی، دو روپے بتائے گئے۔ ان کے والد نے کہا کہ ہمارے پاس تو اس وقت صرف ایک روپیہ ہے۔

کتب فروش نے کہا ٹھیک ہے لے جاؤ اگر اسے پڑھ کر تمہارے بیٹے کو ہدایت نصیب ہوئی تو کچھ ثواب بھی مل جائے گا۔ یوں کتاب خریدی گئی اور شوق سے مطالعہ کیا۔ چند روز میں فضل الٰہی کی حالت بدل گئی۔ کہاں شرکیہ کام کرتے تھے کہاں اب مسجد میں جاکر (جس کے متولی اس وقت ان کے والد تھے) لوگوں کو تلقین کرنے لگے کہ ختم، چالیسویں وغیرہ رسوم سے بچیں، تعزیہ پرستی پیر پرستی سے رک جائیں۔ لوگ سخت ناراض ہوئے اور آپ کے والد صاحب بھی۔ جب والد برگشتہ ہوئے تو روپڑ سے تیس میل دور ایک سرہند بستی میں گئے اور وہاں مولوی احمد علی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے لڑکے نے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے وہ فلاں فلاں باتوں سے روکتا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اسے ہمارے پاس لے آؤ، ہم اسے ٹھیک کریں گے وہ اسی وقت روپڑ آئے اور فضل الٰہی کو ساتھ لے کر وہاں گئے۔ سوال جواب ہوئے تو مولوی صاحب نے کہا کہ بیٹا یہی سیدھی راہ ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لینا۔ والد سے کہا کہ تمہارا بیٹا درست کہتا ہے تم بھی جا کر اس کی مدد کرو۔ اس روز سے والد آپ کے ساتھ ہو گئے اور آپ نے خوب تبلیغ کی پھر آپ کو ایک آپ کے پرانے استاد نے اپنی مسجد میراں صاحب میں بلایا۔ اس محلہ کے تمام لوگ سید کہلاتے تھے اور تعزیہ پرست تھے۔ وہاں سوال جواب ہوئے۔ آپ نے تقویۃ الایمان کی روشنی میں جواب دیئے تو اس نے طیش میں آکر حکم دیا کہ اسے مارو۔ لوگوں نے خوب مارا۔ زخمی ہو کر گھر پہنچے۔ کنویں پر جانے اور مسجد جانے کی اجازت نہ تھی۔ میاں بیوی گھر میں نماز ادا کرتے۔ تقریباً10 روز بعد فجر کے وقت مسجد چلے گئے جو تیلیانوالی مسجد مشہور ہے۔ وہاں لوٹوں میں پانی ڈال کر غسل خانہ میں چلے گئے۔ امام مسجد نے حکم دیا کہ تمام لوٹوں اور مٹکوں کو توڑ دو اور مسجد کو دھو ڈالو۔ کہ یہ لامذہب ہو گیا ہے اور خلیفہ شہر نے اس کے ساتھ ایسا کرنے کو کہا ہے۔ پھر فضل الٰہی اپنی مسجد گئے۔ لوگ جمع ہو گئے اور آپ کو مسجد سے نکالنے پر مصر ہوئے اور تین جوان مقابلے میں آکر ہار گئے۔ بعد ازاں لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے اور اپنی اولاد کو قرآن پڑھانے کے لئے آپ کے پاس بھیجنے لگے۔ دو

تین سال بعد ایک روز اسی مسجد میراں صاحب کے (جہاں آپ کو نادر شاہی حکم ملا تھا) فرش پر رمضان کے مہینے میں دن کے وقت روپڑ کے ایک سید صاحب (جو اس وقت دہلی میں پولیس افسر تھے) کے کسی عزیز کا چہلم کھلایا جانے والا تھا۔ آپ کو پتہ چلا تو جا کر کہا کہ چہلم کا کھانا تو ویسے ہی حرام ہے، تم لوگ کیسے بے حیا ہو کہ رمضان میں دن کے وقت مسجد کے فرش پر کھانے کے لئے بیٹھے ہو؟ یہ سن کر بہت سے لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ جب پولیس افسر کو پتہ چلا تو اس نے انتقام لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

پھر آپ امرتسر جا کر سید عبد اللہ سے بیعت ہوئے (سید عبد اللہ غزنوی 1879ء میں فوت ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ واقعہ اس سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے) اس روز سے علماء کی صحبت کا شوق ہو گیا دور دور سے علماء کو روپڑ بلاتے اور اپنی مسجد میں وعظ کراتے پھر انہیں گردونواح کے گاؤں میں ہدایت کی غرض سے پھراتے جس سے اس طرف جہاں کوئی اہل حدیث نہ تھا، ہدایت ہوئی۔ مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی کا دورہ روپڑ کے لئے خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ مع قبائل یہاں اکثر آیا کرتے تھے اور عرصہ تک قیام کیا کرتے تھے بلکہ ایک دفعہ انہوں نے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔

پھر فضل الٰہی نے مسجد کو فراخ کرنا چاہا تو محلہ والے مخالف مزاحم ہوئے۔ دن کو جو کام ہوتا وہ رات کو اسے مسمار کر دیتے۔ اس پر آپ نے عدالت میں چارہ جوئی کی جس میں آپ کو کامیابی ہوئی اور مسجد ایک اچھی پوزیشن میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے مولوی محمود شاہ ہزاروی کو روپڑ بلایا اور ان کی معرفت چندہ اکٹھا کر کے عالی شان شاہجہانی مسجد کی مرمت کرائی اور اسے جمعہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ یہ مسجد کمال والی کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس مسجد کے قریب کچھ ویران زمین پڑی تھی اس میں دو تین کمرے بنوائے، وہاں مدرسہ اہلحدیث قائم کر دیا جو کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا۔

1915ء میں مولوی حافظ عبد اللہ امرتسری کو جب کہ آپ ابھی تحصیل علم سے فارغ نہیں ہوئے تھے، مولانا ابو سعید محمد حسین کے کہنے سے روپڑ بلایا اور یہیں آپ سے اقرار لے لیا کہ بعد از تکمیل علم روپڑ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا جائے گا۔ 1916ء میں آپ یہاں تشریف لائے اور اس مسجد میں پڑھانے لگے۔ (فضل الٰہی 21 ستمبر 1920ء کو انتقال کر گئے)۔ (اہلحدیث امرتسر 19 جنوری 1923ء ص 7-9)

☆ چیتاپور، گلبرگہ، دکن سے محمد یوسف بن حاجی عبد الکریم سوداگر لکھتے ہیں:

چیتاپور میں 21 ذی قعد کو چیتا شاہ ولی کا سالانہ میلہ ہوتا ہے، شرک و بدعت کا زور تھا اور انیسویں صدی کے اختتام تک یہاں سنت کا نام لیوا کوئی نہ تھا۔ جب ریلوے کا نظام شروع ہوا تو اس کے ایک کنٹریکٹر مولوی ذکریا خان اہل حدیث ہوئے، ریلوے کا کام چیتاپور میں آغاز ہوا تو مولوی صاحب برائے نماز یہاں جامع مسجد میں آئے جو ایک ہی تھی۔ آمین رفع یدین شروع کیا اور تبلیغ سنت بھی کرتے رہے جس کے اثرات ہوئے اور ایک جماعت اہل حدیث قائم ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی مخالفت شروع ہو گئی اور عاملین بالحدیث کو وہابی اور لا مذہب کہا گیا۔ اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد کی بنا قائم ہوئی جو مسجد گڑی کے نام سے موسوم ہوئی، اس پر مولوی ذکریا خان نے مسجد گڑی کا رخ کیا وہاں بھی خوب تبلیغ کی۔ اس وقت قحط کا زمانہ تھا، لیکن مولانا نے اپنی فیاضی سے سارا قصبہ گرویدہ کر لیا۔

آخر یہاں بھی حالات بھی بدل گئے پھر ایک مسجد کی بنا ہوئی جو مسجد گدوالی سے موسوم ہوئی (جو بعد ازاں مسجد اہلحدیث کہلائی)۔ پھر مولوی ذکریا خان نے اس مسجد کا رخ کیا اس لئے کہ بااثر حضرات ادھر ہی تھے۔ وہاں بھی وعظ ہوتے رہے۔ میرے چچیرے دادا محمد اسماعیل گدوالی اور والد حاجی عبد الکریم و محمد قاسم بیلدار و مولوی میر منور علی زمرہ شاگردی میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد مولانا حیدر آباد چلے گئے۔ جماعت کافی تھی اور میر منور علی نے مطالعہ کتب سے جماعت کو مزید فروغ دینا چاہا۔ ان کتابوں میں ایک ظفر المبین بھی تھی۔

احناف نے کہا کہ یہ ہمارے مسائل ہیں تم نکل جاؤ۔ یوں مسجد سے نکال دیا گیا۔ کل 60۔ اشخاص تھے۔ پھر اہلحدیث نے محلہ کمہار واڑی کی مسجد میں نماز شروع کی۔ محمد قاسم بیلدار ترقی کی کوشش کرتے رہے۔ تعداد 80 ہو گئی، سب کا لباس ایک ہونے کی وجہ ان کو اہل حدیث پلٹن کہا جانے لگا۔ احناف مخالفت کرتے رہے اور ایک روز مار پیٹ بھی ہوئی۔

بہر حال کام چلتا رہا اور باہر سے حافظ عبد العظیم ناگپوری، سید احمد مدنی کرنولی، مولوی خداداد خان حیدر آبادی، مولوی عبد الحی حیدر آبادی، حافظ عبد اللہ مدنی کرنولی، مولوی فخر عالم نارائن کھڑی، مولوی عبد الحق بھوپالوی وغیرہ آکر تبلیغ کرتے رہے۔ پھر جمادی الثانی 1339ھ میں انجمن اہل حدیث بنائی گئی۔ شعبان 1339ھ میں رفیق شاہ فقیر نے آکر فساد برپا کئے اور ملا ملتانی کے اشتہارات شائع کئے تو مسلمانوں نے تکفیر المؤمنین از جناب ثناء اللہ امرتسری شائع کر کے وسیع پیمانے پر تقسیم کی۔

(اہل حدیث امرتسر 21 ستمبر 1923ء ص 9-10)

☆☆☆